Globethics Repository

Kitab al-Tauhid (Volume 1. Part 2)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-06-20 20:28:09
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/185931

باب پنجم

توحید فی الاُلوہیت
اور
شرک فی الاُلوہیت

۱۔ توحید فی العبادت • شرک فی العبادت

۲۔ توحید فی القدرت • شرک فی القدرت

۳۔ توحید فی الدعا • شرک فی الدعا

۴۔ توحید فی العلم • شرک فی العلم

www.MinhajBooks.com

توحید فی الاُلوہیت

علمائے عقائد نے توحید فی الاُلوہیت کی درج ذیل تعریف کی ہے:

هو استحقاقُه سبحانه و تعالى أن يُعبَد وحدَه لا شريکَ له.[1]

''یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خصوصی استحقاق ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے، اس کا کوئی شریک نہیں۔''

اس کی وضاحت مزید یوں کی گئی ہے:

هو إفراد الله ﷻ بجميع أنواع العبادة الظاهرة و الباطنة قولًا و عملاً، و نفي العبادة عن كل ما سوى الله تعالى كائناً من كان.[2]

''توحیدِ اُلوہیت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا تمام ظاہری و باطنی قولی اور فعلی جملہ عبادات میں یکتا ہونا۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ ہر ایک چیز کی عبادت کی نفی کی جائے۔''

توحید فی الاُلوہیت کو توحیدِ عبادت بھی کہتے ہیں۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، صرف اسی کی ذات اِس قابل اور لائق ہے کہ اِس کی عبادت کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا کہ اُس کی پرستش کی جائے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

---

(۱) ابن ابی العز الدمشقی، شرح العقيدة الطحاوية، ۱:۱۲۵

(۲) ابن احمد الحکمی، أعلام السنة المنشورة: ۲۱

تَتَّقُوْنَ○(۱)

’’اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو (بھی) جو تم سے پیشتر تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ○‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ○(۲)

’’کیا تم واقعی اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود (بھی) ہیں؟ آپ فرما دیں: میں (تو اس غلط بات کی) گواہی نہیں دیتا، فرما دیجئے: بس معبود تو وہی ایک ہی ہے اور میں ان (سب) چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو○‘‘

۳۔ سورۃ الانعام میں ایک اور مقام پر فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ○(۳)

’’(ان سے) فرما دیجئے کہ تم یہ تو بتاؤ اگر اللہ تمہاری سماعت اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مُہر لگا دے (تو) اللہ کے سوا کون معبود ایسا ہے جو یہ (نعمتیں دوبارہ) تمہارے پاس لے آئے؟ دیکھئے ہم کس طرح گوناگوں آیتیں بیان کرتے ہیں۔ پھر (بھی) وہ روگردانی کئے جاتے ہیں○‘‘

(۱) البقرة، ۲: ۲۱

(۲) الأنعام، ۶: ۱۹

(۳) الأنعام، ۶: ۴۶

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا:

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ ط قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○(۱)

’’اور (مشرکین) اللہ کے سوا ان (بتوں) کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور (اپنی باطل پوجا کے جواز میں) کہتے ہیں کہ یہ (بت) اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں، فرما دیجئے: کیا تم اللہ کو اس (شفاعتِ اصنام کے من گھڑت) مفروضہ سے آگاہ کر رہے ہو جس (کے وجود) کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں (یعنی اس کی بارگاہ میں کسی بت کا سفارش کرنا اس کے علم میں نہیں ہے)۔ اس کی ذات پاک ہے اور وہ ان سب چیزوں سے بلند و بالا ہے جنہیں یہ (اس کا) شریک گردانتے ہیں○‘‘

۵۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ج اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ○(۲)

’’اور اللہ نے فرمایا ہے تم دو معبود مت بناؤ، بیشک وہی (اللہ) معبودِ یکتا ہے، اور تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو○‘‘

۶۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا○(۳)

(۱) یونس، ۱۰: ۱۸

(۲) النحل، ۱۶: ۵۱

(۳) الإسراء، ۱۷: ۳۹

’’(اے انسان!) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا (ورنہ) تو ملامت زدہ (اور اللہ کی رحمت سے) دھتکارا ہوا ہو کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گاo‘‘

۷۔ سورۃ الاسراء میں ہی ایک اور مقام پر فرمایا:

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًاo(۱)

’’فرما دیجئے: اگر اس کے ساتھ کچھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ وہ (کفار و مشرکین) کہتے ہیں تو وہ (مل کر) مالکِ عرش تک پہنچنے (یعنی اس کے نظام اقتدار میں دخل اندازی کرنے) کا کوئی راستہ ضرور تلاش کر لیتےo‘‘

۸۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون میں ارشاد فرمایا:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَo(۲)

’’اللہ نے (اپنے لئے) کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو ضرور (الگ) لے جاتا اور یقیناً وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرتے (اور پوری کائنات میں فساد بپا ہو جاتا)۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیںo‘‘

۹۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo(۳)

’’اور تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے (خود ساختہ) معبود کو نہ پوجا کرو، اس کے سوا

(۱) الإسراء، ۱۷: ۴۲

(۲) المؤمنون، ۲۳: ۹۱

(۳) القصص، ۲۸: ۸۸

کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، حکم اسی کا ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○"

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسٓ میں ارشاد فرمایا:

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّ لَا يُنْقِذُوْنِ ○ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ○(۱)

"اور مجھے کیا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے○ کیا میں اس (اللہ) کو چھوڑ کر ایسے معبود بنالوں کہ اگر خدائے رحمان مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ مجھے اُن کی سفارش کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکیں○ بے شک تب تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا○ بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں، سو تم مجھے (غور سے) سنو○"

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ صٓ میں ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ق وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ○(۲)

"فرما دیجئے، میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا سب پر غالب ہے○ آسمانوں اور زمین کا اور جو کائنات اِن دونوں کے درمیان ہے (سب) کا رب ہے بڑی عزت والا، بڑا بخشنے والا ہے○"

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل میں ارشاد فرمایا:

---

(۱) یٰس، ۳۶: ۲۲۔۲۵

(۲) ص، ۳۸: ۶۵۔۶۶

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًاo رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًاo[1]

''اور آپ اپنے رب کے نام کا ذِکر کرتے رہیں اور (اپنے قلب و باطن میں) ہر ایک سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہیںo وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، سو اُسی کو (اپنا) کارساز بنالیںo''

مطالعۂ قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بالکل منکر نہیں تھے بسا اوقات وہ اللہ تعالیٰ کو ایک اور سب سے بالا و برتر ہستی مانتے تھے مگر ان کا شرک توحید فی الالوہیت کے باب میں تھا اسی بناء پر ان کے ہاں عقیدۂ توحید کے باب میں خرابی، توحیدِ ربوبیت کی نسبت توحیدِ الوہیت میں زیادہ تھی۔ قبل از اسلام یہود اور دیگر مشرکین عرب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کی طرح اپنے بتوں کو مختلف قبائل سے منسوب کر کے اس کی پوجا کرتے تھے۔ کچھ لوگ تو قبروں کو براہ راست سجدہ کرتے اور بعض قبائل ان قبروں کے اوپر اس مدفون کا بت یا ان کی تصاویر بنا کر رکھ لیتے اور اس کو سجدہ کرتے تھے۔ سجدہ کرتے ہوئے ان کا تصور یہی ہوتا تھا کہ یہ بت اور مدفون شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع ہیں۔ ان کا یہی عمل دراصل شرک فی الألوہیت تھا۔

امام بخاری نے ان کے اس مشرکانہ عمل کو اس طرح روایت کیا ہے۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کے متعلق فرمایا:

لَعَنَ اللهُ اليَهُوْدَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.[2]

---

(۱) المزمل، ۷۳:۸۔۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجدا، ۱:۱۶۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور و اتخاذ الصور، ۱:۳۷۶، رقم: ۵۲۹

’اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجود بنا لیا تھا (یعنی وہ براہِ راست قبروں کی عبادت کرتے تھے)۔‘‘

۲۔ اس طرح ایک اور روایت میں ان کے اس مشرکانہ رجحان اور وطیرہ کو حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید واضح فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ وَ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّ أُولَئِکَ إِذَا كَانَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْکَ الصُّوَرَ فَأُولَئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۱)

’’حضرت اُمِ حبیبہ اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس میں بت اور مورتیاں تھیں، پس انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے اور اس میں اس کی مورتی بنا لیتے۔ وہ لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔‘‘

۳۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

صَارَتِ الأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدُ، أَمَّا وَدٌّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ، وَ أَمَّا سُوَاعٌ كَانَتْ لِهُذَيْلٍ، وَ أَمَّا يَغُوثُ كَانَتْ لِمُرَادٍ، ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالْجَوْفِ عِنْدَ سَبَإٍ، وَ أَمَّا يَعُوقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَ أَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِآلِ ذِي الْكَلاَعِ، أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِيْنَ مِن قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوْا أَوحَى

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ و یتخذ مکانھا مساجدا، ۱: ۱۶۵، رقم: ۴۱۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب النھی عن بناء المساجد علی القبور و اتخاذ الصور، ۱: ۳۷۵، رقم: ۵۲۸

الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوْا يَجْلِسُوْنَ أَنْصَابًا وَ سَمُّوهَا بِأَسْمَاءِهِمْ فَفَعَلُوا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولٰئِکَ وَ تَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ. (۱)

’’جو بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پوجے جاتے تھے وہی بعد میں اہل عرب نے اپنے معبود بنا لئے۔ **وَد** بنی کلب کا بت تھا جو دومۃ الجندل کے مقام پر رکھا ہوا تھا۔ **سواع** بنی ہذیل کا بت تھا، **یغوث** بنی مراد کا بت تھا، پھر یہی بنی غطیف کا بھی الٰہ بن گیا جو سبا کے پاس جوف میں تھا۔ **یعوق** قبیلہ ہمدان کا اور **نسر** ذی الکلاع کی آلِ حمیر کا بت تھا۔ یہ حضرت نوح کی قوم کے نیک آدمیوں کے نام ہیں جب وہ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن جگہوں پر وہ اللہ والے بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے بنا کر رکھ دو اور ان بتوں کے نام بھی ان صالحین کے نام پر ہی رکھ دو۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا کر دیا لیکن ان کی پوجا نہیں کرتے تھے جب وہ لوگ دنیا سے چلے گئے اور علم بھی کم ہو گیا تو ان کی پوجا و پرستش ہونے لگ گئی۔‘‘

مندرجہ بالا تینوں روایات سے درج ذیل امور واضح ہوئے:

۱۔ مشرکین نے پہلے زمانوں کے انبیاء و صالحین کی قبور کو ہی مسجود یا مسجود الیہ بنا لیا تھا۔ اور وہ ان کی عبادت کرتے تھے۔ یہ مشرکینِ یہود و نصاریٰ کا معمول تھا، کہ وہ ان قبروں کو سجدہ بھی کرتے تھے، اپنی نمازوں میں انہیں قبلۂ توجہ بھی بناتے تھے اور انہیں اپنا معبود بھی تصور کرتے تھے۔ ان تینوں امور کی تصریح حدیث البخاری: ۴۲۷ کی شرح میں امام عسقلانی اور امام عینی نے کی ہے۔ اور اسے سب نے امام بیضاویؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

۲۔ عیسائی مشرکین نے اپنے کنیساؤں میں بھی (جو کہ انکی عبادت گاہیں تھیں)

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ودًا ولا سواعًا ولا یغوث ولا یعوق، ۴:۱۸۷۳، رقم: ۴۶۳۶

صالحین سے منسوب بت رکھے ہوئے تھے، جنکی وہ عبادت کرتے اور تعظیم بھی کرتے مستزاد یہ کہ ان کی قبروں اور بتوں کو اپنا معبود (آلھھ) تصور کرتے تھے۔

۳۔ مشرکینِ مکہ کے مختلف قبائل نے بھی کعبۃ اللہ کے اردگرد اور دیگر مقامات پر انہیں بتوں کے نام پر ''تھان'' (چبوترے) بنا رکھے تھے۔ ان پر بسا اوقات انہیں جھوٹے خداؤں (آلھھ) کے بت بھی نصب ہوتے اور وہ انہی چبوتروں پر ان بتوں کے لئے جانور بھی ان کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے تھے، جسے قرآن مجید میں ''وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ'' کہا گیا ہے۔

۴۔ وہ مشرکین، ذبح کے بعد انہی چبوتروں پر ان جانوروں کے خون بھی ان بتوں کی عبادت اور تقرّب کی نیت سے مَل دیتے تھے۔

۵۔ وہ اس خود ساختہ مشرکانہ عبادت کو اللہ تعالیٰ کے قرب اور شفاعت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

ان تمام مشرکانہ امور کو قرآن و حدیث کے ذریعے رد کر دیا گیا۔

مذکورہ بالا حدیث کے ان الفاظ ''اتخذوا قبور انبياء هم مساجدا'' سے تمام محدثین اور شارحین نے بلا اختلاف یہ مراد لیا ہے:

مفاد الحديث منع إتخاذِ القبر مسجداً، ومدلول الترجمة إتخاذِ المسجد على القبر. (۱)

یعنی حدیث کا مفاد قبر کو مسجود بنانے سے منع کرنا ہے، اور ترجمۃ الباب کا مدلول مسجد کا قبر کے اوپر بنانے سے منع کرنا ہے تاکہ قبر، نہ تو معبود اور مسجود لہ بنائی جائے، اور نہ ہی مسجود الیہ بنائی جائے۔ یہی وضاحت امام کرمانی، امام عینی اور دیگر سب ائمہ نے کی ہے۔ اسی کی تصریح امام قرطبیؒ نے شرح صحیح مسلم میں بھی کی ہے، قرطبی روایتِ صحیح مسلم ''لا تصلوا الى القبور'' کی توضیح میں لکھتے ہیں: أى لا تتخذوها قبلة. (۲) ''یعنی قبور کو

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۲۰۱

(۲) قرطبی، المفہم، ۲: ۶۲۸

قبلہ نہ بناؤ۔‘‘

یہی معنی امام سیوطی نے مرقاۃ الصعود میں بیان کیا ہے:

المعنی أنهم کانوا یسجدون إلی قبورهم.

’’اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کی قبور کو سجدہ کیا کرتے تھے۔‘‘

پھر بیان کرتے ہیں:

وقیل: النهی عن السجود علی قبور الأنبیاء، وقیل: النهی عن اتخاذها قبلةً یصلی إلیه.

’’یہ کہا گیا ہے کہ نہی اس امر کی ہے کہ انبیاء کی قبور پر سجدہ نہ کیا جاہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں قبلۂ نماز نہ بنایا جائے یعنی ان کی سمت منہ کرکے نماز نہ پڑھی جائے۔‘‘

ملّا علی القاری نے ’’الأوجز‘‘ میں بھی یہی لکھا ہے:

سبب لعنهم إما لانّهم کانوا یسجدون لقبور أنبیائهم تعظیمًا لهم ..... وإما التوجه الی قبورهم حالة الصلاة.

’’یہود و نصاریٰ پر لعنت کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء کی قبور کو ان کی تعظیم کی خاطر سجدہ کرتے تھے اور یا یہ تھا کہ وہ حالتِ نماز میں ان قبور کی طرف چہرہ کرتے تھے۔‘‘

ان تمام امور سے نہ تو انبیا و صالحین کے مزاراتِ مقدّسہ کی زیارت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے قرب و جوار سے حصولِ برکت کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اسکے برعکس صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرح میں امام عسقلانی اور امام عینی سمیت سب نے تصریح کی ہے:

فأمّا من اتّخذ مسجدًا فی جوار صالحٍ، وقصد التبرک بالقرب منه، لا التعظیم له و لا التوجه نحوه فلا یدخل فی ذالک الوعید.(۱)

''پس اگر کسی نے اولیاء و صالحین کے مزار کے قریب مسجد بنائی اور اس کے قرب سے حصول برکت کا ارادہ کیا تو یہ جائز ہے بشرطیکہ تعمیر مسجد قبر کی تعظیم یا اسے قبلۂ توجہ بنانے کے لئے نہ ہو، سو ایسا عمل اس ممانعت میں داخل نہیں ہوتا۔''

یہی جواز قاضی البیضاویؒ نے بیان کیا ہے۔ اسی کو امام الطیبیؒ نے بھی وضاحۃً بیان کیا ہے۔ اسی قول کو تائیدًا علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی ''فیض الباری'' میں متذکرہ حدیث کے تحت بیان کیا ہے۔ بلکہ اختتام پر یہ کلمات بھی نقل کئے ہیں۔

فلا بأس به و یُرجی فیه النفع ایضًا.(۲)

''اس میں (یعنی مزارات اولیاء و صالحین کے قرب میں مسجد بنانا اور اس سے تبرک کرنا یعنی حصولِ برکت کا ارادہ کرنا جائز ہے۔ اس میں) کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے نفع و فیض کی اُمید بھی رکھنی چاہئے۔''

حتی کہ قاضی بیضاوی کے اس قولِ جواز کو اور مذکورہ بالا ساری تفصیل کو علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی فتح الملهم بشرح صحیح الإمام مسلم میں بیان کیا ہے۔(۳) رہ گئی قبورِ صالحین کی زیارت تو یہ خود سنت ہے۔ جس کی تصریح امام عسقلانی نے ''فتح الباری'' میں کی ہے اور بنیاد اس کی احادیثِ صحیحہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام کا حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا عمل ہے اور ان کی قبور مقدسہ کے پاس

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۵۲۵
۲۔ عینی، عمدۃ القاری، ۴: ۱۷۴
(۲) انور شاہ کشمیری، فیض الباری، ۲: ۵۸
(۳) شبیر احمد عثمانی، فتح الملهم، ۳: ۳۵۴، ۳۵۵

کھڑے ہو کر دعا کرنا بھی جائز ہے۔ جس کی تائید امام شافعی، امام ابن حبان، امام ابن ابی حاتم الرازی، خطیب بغدادی، امام ابن عساکر، امام ذہبی، امام نووی، امام سخاوی، امام ابن حجر، حافظ ابن کثیر، امام سیوطی سے لیکر امام ابن عابدین ﷺ تک سب ائمہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کی تصریحات سے ملتی ہے۔

آج جو لوگ مزاراتِ انبیاء و اولیاء کی تعظیم کو شرک کے زمرے میں شامل کرتے ہیں اور مزارات پر حاضری کو خلافِ توحید سمجھتے ہیں انہیں دراصل مشرکین کے اسی عمل سے مغالطہ ہوتا ہے حالانکہ مشرکین کا عمل مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر واضح اور صریح شرک تھا۔ ان دونوں افعال میں بعد المشرقین ہے۔ دونوں کو ایک جیسا سمجھنے سے قبل ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ شرک کا اطلاق کرتے ہوئے اس کی حقیقت اور تاریخ کو ملحوظ رکھا کریں۔ توسل تعظیم اور عبادت میں واضح فرق کو سامنے رکھے بغیر فتوی لگانے سے ہی فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

اہلِ اسلام کا عمل اس سے بالکل برعکس ہے۔ مسلمان مزارات پر صرف اس لیے جاتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی قربت، محبت اور اطاعت کی وجہ سے قابلِ احترام سمجھتے ہیں۔ نہ وہاں پر کسی ولی کا بت اور مورتی بنائی جاتی ہے، نہ اس کی پوجا پاٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کسی چبوترے پر جانور ذبح کر کے خون ملا جاتا ہے۔ الغرض اسبابِ شرک میں کوئی سبب اہلِ اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ رہا قبروں کا احترام کرنا اور ان پر دعا و توسل کے لئے جانا تو یہ نصِ حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت بریدہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُوْرُوْهَا. (۱)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ﷺ ربه ﷻ فی زیارة قبر أمه، ۲: ۶۷۲، رقم: ۹۷۷

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الجنائز عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی الرخصة فی زیارة القبور، ۴، ۳: ۳۷۰، رقم: ۱۰۵۴ و زاد: (فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْآخِرَةَ)

۳۔ ابوداود، السنن، کتاب الجنائز، باب فی زیارة القبور، ۳: ۲۱۸، رقم: ۳۲۳۵

’’میں تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا کرتا تھا، پس اب زیارت کیا کرو۔‘‘

اہلِ اسلام صالحین کی قبور پر نہ تو مشرکین کی طرح جانور ذبح کرتے ہیں نہ ان کی عبادت کرتے ہیں نہ وہاں بت رکھے ہوئے ہیں نہ ان کے مجسمے اور نہ انہیں سجدہ کیا جاتا ہے اور نہ اُن سے حاجتیں مانگتے ہیں۔ بلکہ فرمانِ رسالت ﷺ کی روشنی میں ان کی حاضری کا مقصد صرف اور صرف اصلاحِ احوال اور تذکیرِ آخرت ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ان سے حصول برکت اور ان کے توسل سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی جاتی ہے سو ان میں کوئی عمل بھی نہ تو شرک کے زمرے میں آتا ہے، نہ بدعت کے، اور نہ ہی ممانعت و کراہت کے، یہ سب امور یا تو سنت ہیں، یا مستحسن اور جائز ہیں۔

اس موضوع پر تفصیلی بحث ما اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ کے باب میں آ رہی ہے۔ آئندہ فصلوں میں توحید فی الألوہیت اور شرک فی الألوہیت کی اقسام پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔

www.MinhajBooks.com

فصل اوّل

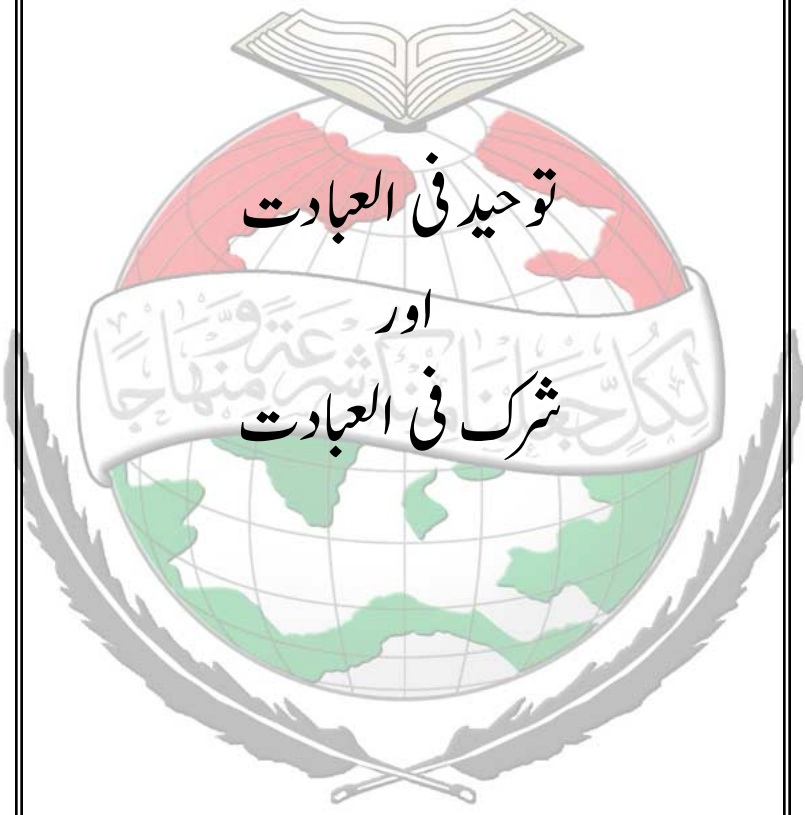

توحید فی العبادت

اور

شرک فی العبادت

www.MinhajBooks.com

توحید فی العبادت

عبادت میں توحید اور شرک کی حقیقت متعیّن کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے عبادت کے حقیقی مفہوم کو سمجھا جائے۔ مفہومِ عبادت اور تصورِ عبادت سمجھنے میں بعض لوگوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ بہت سے دوسرے تصورات کو عبادت کے ساتھ گڈ مڈ اور خلط ملط کر دیا گیا ہے اور بعض ظاہری مماثلت رکھنے والی چیزوں کی بنیاد پر بہت سی ایسی چیزوں کو عبادت سمجھ لیا گیا ہے جو درحقیقت عبادت نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی چیز کا تصور ہی غلط مراد لے لیا جائے تو پھر اس سے حاصل کردہ اور اخذ کردہ نتائج بھی درست ثابت نہیں ہو سکتے۔ اِس لئے یہ ایک اصولی بات ہے کہ محض غلط تصور کی بنیاد پر شرک کا فتویٰ صادر کر دینا درست نہیں۔ صحیح فہمِ دین کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک چیز کی شرح و تعبیر اور اس کے صحیح اطلاق کو سمجھا جائے۔ بصورتِ دیگر غلط تصور کی بنیاد پر اخذ کردہ نتائج بھی غلط اور اس کی بنیاد پر لگائے گئے فتویٰ کا حکم بھی غلط ہوگا اور پھر ایسا فہم دین بھی یقیناً غلط ہوگا کیونکہ سرے سے بنیاد ہی غلط ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تمام شرعی اور مذہبی معاملات پر بحث اور فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے صحیح تصور کو سمجھا جائے۔

عبادت ایک ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی غایتِ تعظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بندے کی طرف سے انتہا درجے کی تعظیم جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو سکتی ہے وہ صرف عبادت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی تعظیم کی اس حد کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی بلند ترین ہے جبکہ مخلوق عبادت گزاری کے اعتبار سے ادنیٰ ترین مقام پر ہے۔ عبادت بندے کی طرف سے اس عظیم ترین ذات کے لئے بغایت درجہ ادب و تعظیم، خاکساری اور عجز و تذلل کی آئینہ دار ہے۔ عبد اور معبود کی ان دونوں انتہاؤں کے مابین رابطہ و تعلق پیدا کرنے والی چیز صرف عبادت ہے۔ یہ چیز اس امر کی متقاضی ہے

کہ صرف اسی کی ہی عبادت کی جائے۔

جمہور مفسرین کا نقطۂ نظر

کسی عقیدہ اور مکتبِ فکر کے مسلمہ مفسرین اور اجل ائمہ لغت و ادب کے درمیان عبادت کی تعریف کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا عبادت کے صحیح تصور اور درست معنی و مفہوم سمجھنے کے لئے ان ائمہ و مفسرین کی تشریحات و تعبیرات ماننا ازبس ضروری ہے۔ اکثر مفسرینِ کرام نے سورہ فاتحہ کی آیت ''اِیّا کَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کے ذیل میں عبادت کی تعریف بیان کرتے ہوئے 'غایت الخضوع و التذلل' کے الفاظ استعمال کئے ہیں، چند معروف مفسرین کی تعریفات درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام خازن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والعبادة غاية التذلل من العبد و نهاية التعظيم للرب سبحانه و تعالٰی لانه العظيم المستحق للعبادة ولا تستعمل العبادة إلا فی الخضوع لله تعالٰی لانه مولی أعظم النعم.(۱)

''اور عبادت بندے کی طرف سے عجز و انکساری کی بلند ترین کیفیت اور رب تعالٰی کے لئے تعظیم کے بلند ترین درجے کا نام ہے، کیونکہ اللہ تعالٰی سب سے بلند ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے، اور عبادت کا لفظ فقط اللہ تعالٰی سے عاجزی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ وہ عظیم ترین نعمتوں کا مالک ہے۔''

۲۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إن العبادة عبارة عن نهاية التعظيم.(۲)

''عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت سے عبارت ہے۔''

---

(۱) خازن، تفسیر الخازن، ۱:۱۷

(۲) رازی، التفسیر الکبیر، ۱:۲۴۲

۳۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و العبادة الطاعة مع التذلل والخضوع.(۱)

’’عبادت، عاجزی اور انکساری کے ساتھ اطاعت بجا لانے کا نام ہے۔‘‘

۴۔ امام زمخشری لکھتے ہیں:

والعبادة أقصى غاية الخضوع والتذلل.(۲)

’’عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۵۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وفي الشرع عبارة عما يجمع كمال المحبة والخضوع والخوف.(۳)

’’شریعت کی رو سے عبادت محبت و تعظیم اور خوف کی انتہائی حالتوں کا مجموعہ ہے۔‘‘

۶۔ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وهي أقصى غاية الخضوع والتذلل.(۴)

’’عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۷۔ امام شوکانی کے نزدیک:

والعبادة أقصى غايات الخضوع والتذلل.(۵)

---

(۱) بغوی، معالم التنزیل، ۱:۴۱

(۲) زمخشری، الکشاف، ۱:۱۳

(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۲۵

(۴) نسفی، مدارك التنزيل وحقائق التأويل، ۱:۵

(۵) شوکانی، فتح القدیر، ۱:۲۲

’’عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۸۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جن کا شمار برصغیر کے اجل علماء میں ہوتا ہے بہت بڑے فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مفسرِ قرآن بھی تھے۔ ان کی تفسیر ’’المظہری‘‘ سند کا درجہ رکھتی ہے۔ عبادت کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے بھی وہی لفظ استعمال کئے ہیں جن میں عبادت کا صحیح تصور مذکور ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

والعبادة أقصى الخضوع والتذلل.(۱)

’’عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۹۔ امام محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والعبادة أعلى مراتب الخضوع.(۲)

’’عبادت، تعظیم کے عمل کی بلند ترین کیفیت کو کہتے ہیں۔‘‘

۱۰۔ امام ابوسعود لکھتے ہیں:

والعبادة أقصى غاية التذلل والخضوع.(۳)

’’عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۱۱۔ لغتِ قرآن کے امام، امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

العبودية: اظهارُ التَّذَلُّلِ، وَالْعِبَادَة أبلغ مِنْهَا، لانها غايةُ التذَلُّل.(۴)

’’عبودیت (بندگی) سے مراد عاجزی اور انکساری کا اظہار ہے لیکن عبادت کا

---

(۱) ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر المظہری، ۱:۹

(۲) آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۱:۸۶

(۳) أبو سعود العمادی، تفسیر أبی سعود، ۱:۱۶

(۴) راغب اصفہانی، المفردات: ۵۴۲

درجہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ عبادت عاجزی کی انتہائی کیفیت کا نام ہے۔‘‘

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ عبادت کی تعریف میں عبد کا لفظ لائے ہیں جو دو معنوں میں استعمال کیا گیا ہے:

۱۔ غلام ۲۔ انسان، بندہ

عبودیہ غلامی کو کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عبودیہ کی آخری ترقی یافتہ شکل عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبد کا لفظ بندگی اور عبادت کے معنی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور شخص اپنے نوکر اور خدمت گار کے لئے استعمال نہیں کرسکتا۔ یعنی کوئی شخص اپنے غلام اور خدمت گزار کو یہ کہنے کا مجاز نہیں کہ وہ عبد ہے اور میری عبادت کرتا ہے۔ حالانکہ کوئی شخص اپنے غلام کو مجازی معنی میں عبد تو کہہ سکتا ہے کیونکہ وہ اس کا مالک تو ہے، لیکن جو خدمت وہ اس کے لئے سرانجام دیتا ہے عبادت نہیں ہوسکتی کیونکہ عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔

۱۲۔ امام طبرسی لکھتے ہیں:

والعبادة ضرب من الشكر و غاية فيه لأنها الخضوع بأعلى مراتب الخضوع مع التعظيم بأعلى مراتب التعظيم .....(۱)

’’عبادت شکر کی ایک قسم ہے اور اس کے انتہائی درجے کا نام ہے کیونکہ عبادت عاجزی و تعظیم کے بلند ترین مراتب میں سے ایک ہے۔‘‘

مذکورہ بالا تعریفات میں اَقصیٰ مضاف اور **غاية الخضوع والتذلل** مضاف الیہ ہے پس ’’**أقصى غاية الخضوع والتذلل**‘‘ کا معنی عجز و تذلل اور انکسار و تعظیم کا انتہائی درجہ ہے۔ امام شوکانی نے غایات کا لفظ استعمال کیا ہے جو غایۃ کی جمع ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ’عبادت‘ عجز و انکساری کی بلند ترین کیفیت اور تعظیم کی آخری حد ہے۔ پس عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اس عمل میں عاجزی و انکساری کی بلند ترین کیفیت کے

(۱) طبرسی، مجمع البیان، ۱:۲۶

ساتھ تعظیم کا انتہائی درجہ شامل ہو۔ اس کے علاوہ ایسے عمل کو جو اس سے کم تر درجے میں ہو اُسے عبادت تصور نہیں کیا جا سکتا۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (جنہیں غیر مقلدین بھی امام مانتے ہیں) نے بھی دیگر مفسرین کی طرح تعظیم کی بلند ترین سطح کو عبادت قرار دیا ہے اور بعض لوگوں کے ان نظریات اور دعووں کو رد کر دیا ہے جن کے مطابق محض ادب و احترام پر مبنی کوئی بھی عمل شرک قرار پاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب ہم توحید فی العبادت کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد عاجزی، تذلل، خاکساری اور عجز و انکسار کا انتہائی درجہ ہوتا ہے اور وہ تعظیم جو محض ادب و احترام پر مشتمل ہو عبادت نہیں۔ عبادت کا مدِمقابل شرک ہے، ادب و احترام اور تعظیم پر مبنی کسی عمل کا شرک سے کوئی مقابلہ اور تضاد نہیں بلکہ تعظیم کا متضاد عمل بے ادبی، گستاخی اور توہین ہے۔

مشرِکین کے شرک کی اصل وجہ

قرآن مجید کی وہ آیات جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنے، ان کو خدا بنانے اور ان کو دعوائے ربوبیت میں خدا کا شریک بنانے کے واضح اقرار کا اعلان کرتی ہیں ان میں فقط عبادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو واسطہ بنانے یا کسی کا وہ ادب و احترام اور تعظیم جو درجۂ عبادت میں نہ ہو، اس حکم میں شامل نہیں۔ کفار و مشرکین بتوں کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ ہیں۔ پس اس وجہ سے ان کا یہ عقیدہ شرک ٹھہرا۔

وہ کہتے تھے ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى'' (الزمر، ۳۹:۳) ''ہم ان (بتوں) کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔'' یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدۂ تقرب کی واضح تکذیب کی ہے کیونکہ اگر وہ مشرکین اپنے اس قول میں صادق ہوتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ

ان کے نزدیک ان بتوں سے زیادہ قابلِ تعظیم ہوتا اور وہ لوگ غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے۔ لیکن وہ یہ جانتے ہوئے کہ اسلام میں کسی کو تقرب اِلی اللہ کے لئے وسیلہ بنانا جائز ہے، اس تصور کو بت پرستی کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ توسل کی مشروعیت کے باعث مسلمان ہمارے بتوں کی عبادت کرنے کو نظرانداز کر دیں گے یا نرم گوشہ اختیار کر لیں گے۔ وہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ بتوں کی پوجا کرنے سے ہماری غرض و غایت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائیں۔ ان کے اس استدلال کو اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا کیونکہ شرک کو کسی بھی عمل اور نیت کے ذریعے پاک اور حلال نہیں کیا جا سکتا۔

مشرکین کے جھوٹ کی حقیقت

اللہ پاک نے مومنین کو کفار کے بتوں کو گالیاں دینے سے روکا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍؕ (۱)

”اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔“

اس آیتِ کریمہ کی شانِ نزول بیان کرتے ہوئے امام عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر طبری، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا کہتے تھے ردِ عمل میں کفار بھی اللہ تعالیٰ کو برا کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آیتِ مذکورہ نازل فرمائی اور مسلمانوں کو تاکیدی الفاظ میں ان جھوٹے معبودوں کے متعلق تنقیص کا کلمہ کہنے سے روک دیا۔ کیونکہ یہ بت پرست جن بتوں کے بارے میں صمیمِ قلب سے الٰہ ہونے اور نفع و ضرر کے مالک ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے ان کے متعلق مسلمانوں کا کلمۂ تنقیص ان بت پرستوں کے غصہ کا سبب بنتا تھا۔ وہ مغلوب

(۱) الانعام، ۶:۱۰۸

الغضب ہوکر جواب میں مسلمانوں کے حقیقی الٰہ اور سچے رب کو برا کہنے لگتے تھے۔ بتوں کی تنقیص برداشت نہ کرنا اور اللہ رب العالمین کو برا بھلا کہنا انہوں نے اپنا شیوہ بنا لیا تھا ان کا یہ عمل دراصل ان کے اندر کا جھوٹ اور فریب تھا جس کے اظہار میں وہ طبعًا مجبور تھے۔ حالانکہ وہ دعویٰ یہ کرتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت معبودِ حقیقی کی قربت حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دجل کا پردہ چاک کیا۔ اگر وہ لوگ اپنے اس دعویٰ میں صادق ہوتے تو بتوں کو برا کہنے والوں سے انتقام و بدلہ لینے کی وجہ سے اللہ ﷻ کو برا کہنے کی جرأت نہ کرتے چونکہ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا مرتبہ و مقام بتوں سے کم تھا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے رُوگردانی کرتے تھے اور ان بتوں کا احترام اللہ تعالیٰ کے احترام سے زیادہ کرتے تھے۔ متعدد آیاتِ قرآنی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ان مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مرتبہ ان بتوں سے کم تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۲۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَاۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ○[1]

’’انہوں نے اللہ کے لئے انہی (چیزوں) میں سے ایک حصہ مقرر کرلیا ہے جنہیں اس نے کھیتی اور مویشیوں میں پیدا فرمایا ہے پھر اپنے گمانِ (باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے (خود ساختہ) شریکوں کے لئے ہے پھر جو (حصہ) ان کے شریکوں کے لئے ہے سو وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا اور جو (حصہ) اللہ کے لئے ہے تو وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے، (وہ) کیا ہی برا فیصلہ کررہے ہیں○‘‘

اگر ان کفار و مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مرتبہ ان معبودانِ باطلہ سے کم نہ ہوتا تو وہ ان کو اس طرح اللہ تعالیٰ پر ترجیح نہ دیتے جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے،

(۱) الانعام، ۶:۱۳۶

اسی بناء پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ”سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ“ (وہ کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں)۔

۳۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا ذُکِرَ اللهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ○[1]

”اور جب تنہا اللہ ہی کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کے دل گھٹن اور کراہت کا شکار ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور جب اللہ کے سوا اُن بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے (جنہیں وہ پوجتے ہیں) تو وہ اچانک خوش ہو جاتے ہیں○“

تاریخی تناظر میں اس کی مثال قبولِ اسلام سے پہلے غزوۂ احد کے موقع پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا وہ قول ”أَعْلُ هُبَل“ ہے جسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔ جب لشکرِ کفار و مشرکین نے مؤمنین کو عارضی خسارے میں مبتلا کیا تو ابوسفیان نے اپنے بت ھُبل کی علویت کا نعرہ بلند کیا: ”أَعْلُ هُبَل“۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر کہا: اَللهُ أَعْلَی وَ أَجَلُّ (اللہ ہی سب سے بلند و برتر ہے)۔ یہ سن کر پھر ابوسفیان نے کہا: لَنَا الْعُزَّی وَلَا عُزَّی لَکُمْ (ہمارے لئے عزیٰ بت ہے اور تمہارے لئے کوئی عزیٰ نہیں)۔ اس کے جواب میں پھر مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر کہا: اَللهُ مَوْلَانَا وَ لَا مَوْلَی لَکُمْ (اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں)۔[2]

اس بحث کا خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مشرکین اگرچہ بتوں کی عبادت کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ بناتے تھے مگر ان کا یہ بیان محض دھوکا فریب اور دجل تھا جسے قرآن نے کئی مقامات پر رد کر دیا اور ان کی بت پرستی کو شرک جیسے گناہ عظیم کے زمرے میں ہی رکھا۔

(۱) الزمر، ۳۹:۴۵

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوة أحد، ۴:۱۴۸۶، رقم: ۳۸۱۷

• شرک فی العبادت

عبادت بلا شرکتِ غیرے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اگر عبادت کا عمل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے انجام دیا جائے تو وہ شرک فی العبادت ہوگا اور اس کے مرتکب کو مشرک اور کافر قرار دیا جائے گا۔ تاہم اگر عملِ صالح کی کوئی ایسی صورت ہو جو نہ تو عبادت ہو اور نہ وہ اقسامِ توحید کے کسی اور درجہ پر ہو تو اس کے کرنے والے کو مشرک اور کافر نہیں گردانا جائے گا۔ یہ بہت نازک سا فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ذیل میں مختلف پہلوؤں کی روشنی میں اس کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

۱۔ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے ہے

عبادت کے لائق اور مستحق فقط اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس میں حقیقت و مجاز کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔(۱) لہٰذا عبادت کا کسی کے لئے مجازًا اثبات بھی شرک ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے واضح ہوتا ہے۔

۱۔ سورۂ ہود میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ○ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ○(۲)

’’اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (انہوں نے ان سے کہا) میں تمہارے لئے کھلا ڈر سنانے والا (بن کر آیا) ہوں○ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں تم پر بڑے دن کے عذاب (کی آمد) کا خوف رکھتا ہوں○‘‘

۲۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں فرمایا:

(۱) حقیقت اور مجاز کے قرآنی تصور پر مشتمل باب آگے آ رہا ہے۔

(۲) هود، ۱۱: ۲۵۔۲۶

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ.(۱)

’’فرما دیجئے کہ مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان سے (جھوٹے معبودوں) کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو۔‘‘

۲۔ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے

اللہ رب العزت نے مظاہرِ فطرت کو اپنی قدرت کی نشانیاں قرار دیا اور ان کی عبادت سے منع فرمایا۔

۱۔ سورۃ النمل میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا:

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ○(۲)

’’میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے پایا ہے اور شیطان نے ان کے اعمال (بد) ان کے لئے خوب خوش نما بنا دیئے ہیں اور انہیں (توحید کی) راہ سے روک دیا ہے سو وہ ہدایت نہیں پا رہے○‘‘

۲۔ سورۃ حم السجدۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ط لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ○(۳)

’’اور رات اور دن اور سورج اور چاند اُس کی نشانیوں میں سے ہیں، نہ سورج کو سجدہ کیا کرو اور نہ ہی چاند کو، اور سجدہ صرف اللہ کے لئے کیا کرو جس نے ان (سب) کو پیدا فرمایا ہے اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو○‘‘

(۱) الانعام، ۶:۵۶

(۲) النمل، ۲۷:۲۴

(۳) حم السجدۃ، ۴۱:۳۷

۳۔ غیر اللہ کو بطورِ معبود پکارنا شرک ہے

۱۔ ایک مقام پر توحیدِ اُلوہیت اور توحیدِ ربوبیت کے دلائل دینے کے بعد قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○(۱)

''پس تم اللہ کے لئے شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم (حقیقت حال) جانتے ہو۔''

۲۔ سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا.(۲)

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔''

۳۔ اسی سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا اور تثلیث سے منع فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ط اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ط اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ.(۳)

''اور مت کہو کہ (معبود) تین ہیں، (اس عقیدہ سے) باز آ جاؤ (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ بے شک اللہ ہی یکتا معبود ہے۔''

۴۔ حضرت ہُود علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید فی الالوہیت پر ایمان لانے اور شرک سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○(۴)

''اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں،

---

(۱) البقرۃ، ۲:۲۲

(۲) النساء، ۴:۳۶

(۳) النساء، ۴:۱۷۱

(۴) الاعراف، ۷:۶۵

کیا تم پرہیزگار نہیں بنتے؟۔‘‘

۵۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. (۱)

’’حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے، اسی نے حکم فرمایا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔‘‘

۶۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ. (۲)

’’اور (اے انسان!) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا۔‘‘

۷۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور عبادت میں ہر قسم کی شرکت کو رد کیا ہے۔ اسی تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے سورۃ الکہف میں ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○ (۳)

’’فرما دیجئے: میں تو صرف (بحلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں (اس کے سوا اور تمہاری مجھ سے کیا مناسبت ہے ذرا غور کرو) میری طرف وحی کی جاتی ہے (بھلا تم میں یہ نوری استعداد کہاں ہے کہ تم پر کلامِ الٰہی اتر سکے) وہ یہ کہ تمہارا معبود، معبودِ یکتا ہی ہے پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی

---

(۱) یوسف، ۱۲: ۴۰

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۹

(۳) الکہف، ۱۸: ۱۱۰

امید رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرےo‘‘

اس آیتِ کریمہ میں شرک سے باز رہنے کا قطعی حکم دیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی میں حکم دیا گیا کہ اے لوگو! اس کائناتِ ارضی و سماوی اور ان کے اندر پائی جانے والے ہر شئے کی تخلیق اور مالکیت میں کوئی اللہ رب العزت کا شریک نہیں۔ وہی رب حقیقی ہے۔ وہی اس چیز کا حق دار ہے کہ اس کے سامنے جبینِ نیاز جھکائی جائے پس تم پر لازم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کیا کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۸۔ سورۃ الجن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاo (۱)

’’پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کی پرستش مت کیا کروo‘‘

۹۔ وہ بدبخت جو ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معبودِ حقیقی کے سوا اور کسی کی عبادت کرتا ہے، اس کا انجام درج ذیل آیتِ مبارکہ میں بیان فرمایا گیا:

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَo (۲)

’’اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش کرتا ہے اس کے پاس اس کی کوئی سند نہیں ہے سو اس کا حساب اس کے رب ہی کے پاس ہے۔ بیشک کافر لوگ فلاح نہیں پائیں گےo‘‘

کسی کو واسطہ اور ذریعہ سمجھنا منافیٔ توحید نہیں

اللہ تعالیٰ کی ذات مستعانِ حقیقی ہے جبکہ انبیاء و اولیاء اور اہلِ علم و فن کو

(۱) الجن، ۷۲:۱۸

(۲) المؤمنون، ۲۳:۱۱۷

''مستعانِ مجازی'' سمجھتے ہوئے ان سے مدد مانگنا عین توحید ہے۔ حقیقت و مجاز کا فرق روا رکھ کر استغاثہ کرنا شرعاً و عقلاً جائز ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی سے دعا کرنی چاہیے اور اسی کو مستعانِ حقیقی سمجھنا چاہیے۔ اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے اور مصائب و آلام میں اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ کسی ماسوا اللہ کو حقیقی مددگار سمجھنا شرعاً جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی از خود کسی کو نہ کسی گناہ سے روک سکتا ہے نہ نیکی کی توفیق دے سکتا ہے۔ انبیاء و اولیاء سے مجازاً مدد مانگی جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں لفظِ ''دُعا'' نداء کے معنی میں عام استعمال ہوا ہے اور کبھی نداء اور دعا باہم ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔

ایک دوسرے کی مدد و حمایت و نصرت کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دیا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ○ (۱)

''اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ (نافرمانی کرنے والوں کو) سخت سزا دینے والا ہے○''

۴۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا عینِ توحید ہے

بعض لوگ عبادت اور تعظیم کے درمیان تشکیک اور غلط فہمی پیدا کر کے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جب آپ اہل اللہ کی تعظیم بجالاتے ہیں تو یہ شرک فی العبادت کے زمرے میں آتا ہے حالانکہ عبادت کا صحیح معنٰی و مفہوم پچھلے صفحات میں ہم نے تفصیل سے واضح کر دیا ہے کہ عبادت کا درجہ اور حقیقت جدا ہے اور تعظیم کی تعریف اور درجہ الگ ہے۔ دونوں کا

(۱) المائدۃ، ۵:۲

ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط ممکن نہیں۔

شرعاً عجز و انکساری اور تعظیم کے انتہائی درجے کا نام عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے قطعاً جائز نہیں جب کہ اللہ رب العزت کے کسی برگزیدہ بندے حتیٰ کہ ان سے منسوب اشیاء کا ادب و احترام اور تعظیم از روئے قرآن ایک جائز امر ہے۔

سورۂ حج میں ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ○ (۱)

''اور جو شخص اللہ کی نشانیوں (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسب وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) کی تعظیم کرتا ہے تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہ لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو)○ تمہارے لئے ان (قربانی کے جانوروں) میں مقررہ مدت تک فوائد ہیں پھر انہیں قدیم گھر (خانہ کعبہ) کی طرف (ذبح کے لئے) پہنچنا ہے○''

عبادت اور تعظیم پر مزید تفصیلات ''کتاب التوحید جلد دوم'' میں ملاحظہ کریں۔

۵۔ وسیلہ اختیار کرنا خود ردِّ شرک ہے

''توسّل'' ایک مستقل عنوان ہے جس پر ہماری علیحدہ کتاب بھی موجود ہے اور اس پر قدرے تفصیل سے بحث آئندہ جلد میں آ رہی ہے تاہم یہاں اتنا واضح کرنا ضروری ہے کہ توسل شرک نہیں بلکہ شرک سے انکار اور انحراف ہے کیونکہ شرک تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ذات کو مطلوب اور منتہائے مقصود ماننا ہے جبکہ وسیلہ شرک کے انکار سے عبارت ہے۔ جب اہلِ ایمان حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں یا کسی کو ذاتِ باری

(۱) الحج، ۲۲: ۳۲۔۳۳

تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ قرار دیتے ہیں تو اس طرح وہ شرک کے تصور کی نفی کر رہے ہوتے ہیں۔ وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ہوتا ہے اور شرک کی جڑ کٹتی ہے کیونکہ ذواتِ مقدسہ اور بزرگ ہستیوں کا وسیلہ پکڑنے کا مطلب ہے کہ وہ ہستیاں اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اس سے بہت قریب ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایسے اللہ والے بھی ہیں جو نوافل اور تلاوتِ قرآن کی کثرت اور ذکروعبادت سے اللہ رب العزت کی نظر میں محبوبیت کا وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا توسل تقرب اِلی اللہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس لئے ان کے وسیلہ کو شرک یا بدعت قرار دینا خلافِ حقیقت بات ہے۔ اسے صرف وہ لوگ بدعت و شرک کہتے ہیں جو حقیقت سے ناواقف ہیں۔ وسیلہ تو وسیلہ ہی رہتا ہے کبھی عبادت نہیں ہوسکتا، وسیلہ کی چاہے کتنی بھی تعظیم و تکریم کی جائے اسے الٰہ اور معبود کا قائم مقام نہیں سمجھا جاسکتا۔ وسیلہ تو ایک ذریعہ ہے جو کسی مقصود و مطلوب تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

وسیلہ دراصل اس بات کا انکار ہے کہ اللہ کی ہستی کے سوا کوئی معبود اور بھی ہے جسے منتہائے مقصود جانا اور مانا جائے۔ صاحبِ وسیلہ یعنی جس کا وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے وہ خود مخلوق ہوتا ہے جو واسطہ یا ذریعہ بنتا ہے۔ جب کوئی مسئلہ اور تنازع پیدا ہوجائے جس سے خالق و مخلوق کے تعلق میں بگاڑ اور تعطل رونما ہوجائے تو اس بگاڑ اور تعطل کو ختم کرنے اور بندہ و مولا کے تعلق کو پھر سے بحال کرنے کے لئے کسی عظیم شخصیت کو توسل کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اسلام نے توحید کا یہ عقیدہ بالتصریح بیان کردیا ہے کہ جو مخلوق ہو وہ خالق نہیں ہوسکتا، اس سے اسلام نے تمام جھوٹے خداؤں اور معبودانِ باطلہ کی نفی کر دی اور حتمی طور پر اس بات کا قطعی اعلان کر دیا کہ چاہے کوئی ہستی خواہ بعداز خدا بزرگی کے مقام پر فائز پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ ہی کی کیوں نہ ہوں خدا نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ مخلوق ہیں خالق نہیں۔

فصل دوم

توحید فی القدرت
اور
شرک فی القدرت

www.MinhajBooks.com

توحید فی القدرت

توحید فی القدرت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تنہا اختیار و قوت کا مالکِ حقیقی اور قادر بالذات ہے یعنی وہ تصرفات جو صرف اللہ کے لیے خاص ہیں مثلاً اس کے خالق و قادرِ مطلق ہونے، نفع و نقصان کا مالک اور متصرف بالذات ہونے کا اِثبات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ماننا توحید فی القدرت کہلاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ مَنْم بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○[1]

”آپ (ان سے) فرمائیے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جاسکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟“

یعنی یہ کسی معمولی ہستی کی کوئی عامیانہ بات نہیں بلکہ ایک قادر و قدیر، خبیر و علیم، متصرفِ امر اور کلی اختیار و قوت کے سرچشمہ، ذاتِ لم یزل، اللہ تبارک و تعالیٰ کی بات ہے جس کی حاکمیت اور قدرت کو کسی غیر کیلئے ثابت کرنا شرک فی القدرت بن جاتا ہے۔

توحید فی القدرت کا قرآنی تصور

یہ بات بڑی قابلِ توجہ ہے کہ قرآن، تعریفات، تکنیکی اصطلاحات اور تصورات کی کتاب نہیں اس لئے یہ ان شرعی اصطلاحات اور تصورات کی کوئی جامع تعریف وضع نہیں کرتی لہٰذا کسی عقیدہ اور تصور کا اخذ و استنباط قرآنی آیات سے استدلال پر مبنی ہوتا ہے۔

---

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۸۸

ائمہ فقہاء و محدثین اور علمائے تفسیر نے آیاتِ قرآنی ہی سے استشہاد و استنباط کرکے بتایا ہے کہ صحیح عقیدہ و تصور کیا ہے؟ پس جو چیزیں قرآن مجید نے الگ الگ مقامات پر بیان کر دیں ان کا سیاق و سباق سے بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے پورا تصور سمجھ میں آتا ہے۔ اس کی مثال روزمرہ زندگی سے یوں دی جاسکتی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ میں فلاں آدمی کا مافی الضمیر سمجھ گیا ہوں یعنی جو کچھ پیغام اس نے اثنائے گفتگو بیان کرنا چاہا میں اس کو پا گیا ہوں۔ قرآن مجید نے توحید فی القدرت کا جو عقیدہ مختلف مقامات پر بیان کیا ہے اگر اسے کسی غیر کے لئے ثابت کیا جائے تو وہ شرک فی القدرت ہوگا اور اگر اسی معنی اور مفہوم میں وہ تصور کسی دوسرے کے لئے ثابت نہیں تو پھر وہ شرک نہیں رہے گا۔ ذیل میں ہم اس اجمال کی تفصیل چند ایک قرآنی آیات بیان کرکے واضح کریں گے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے

سورۃ المائدۃ میں فرمانِ الٰہی ہے:

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ○ (۱)

”(اے انسان!) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی (ساری) بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے ○“

یہاں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت و اختیار اور قدرت کے باب میں بتایا گیا ہے کہ اس کا تسلّط واختیار اور حکمرانی تمام ارضی و سماوی طبقات پر ہے اور تمام عوالمِ ارضی و سماوی مکمل طور پر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ چاہے تو ہر ایک کو معاف کردے اور چاہے تو سزا دے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکومت و اختیار کلی طور پر اس کی ذات میں مرتکز ہے اور وہی مطلقاً مالک و مختار ہے۔ انسان کو باور کرایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں پر بادشاہت اللہ

(۱) المائدۃ، ۵:۴۰

تعالیٰ کی ہے۔ وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے، ہر چیز کا مالک ہے۔ عذاب اور بخشش کا مالک بھی وہی ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مفہوم بڑی صراحت کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

۲۔ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام پر قدرتِ کاملہ کا مالک

کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام پر قدرتِ کاملہ کا مالک صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو یہ قدرت حاصل ہی نہیں کہ وہ اس کائنات کی مثل کوئی کائنات تخلیق کرے یا اس کے نظام میں اپنی مرضی سے کوئی ردو بدل کر سکے۔

قرآن مجید میں اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ (۱)

”(اے سننے والے!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق (پر مبنی حکمت) کے ساتھ پیدا فرمایا اگر وہ چاہے (تو) تمہیں نیست و نابود فرما دے اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے ○ اور یہ کام اللہ پر (کچھ بھی) دشوار نہیں ہے ○“

اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت اور قدرت کی تعریف تمام کائناتِ سماوی وارضی اور مافیھا کی تخلیق کے حوالے سے کی گئی ہے کہ وہی ذات ہر چیز کی خالق ہے اور اسے کلی اختیار اور قدرت حاصل ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کائنات کے خاتمے پر قادر ہے

توحید فی القدرت پر ایمان لانے کا ایک معنی تو یہ ہے کہ اللہ پاک کائنات اور اس کے جملہ نظام کا خالق ہے، اسی طرح اس بات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ جس

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۱۹۔ ۲۰

ذات نے یہ سلسلۂ کائنات پیدا کیا ہے وہ اس کو اپنی قدرت وحکمت کے ساتھ ختم بھی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ط فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ٥(۱)

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے (وہ) اس بات پر (بھی) قادر ہے کہ وہ ان لوگوں کی مثل (دوبارہ) پیدا فرما دے اور اس نے ان کے لئے ایک وقت مقرر فرما دیا ہے جس میں کوئی شک نہیں، پھر بھی ظالموں نے انکار کر دیا ہے مگر (یہ) ناشکری ہے٥‘‘

جیسا کہ بیان ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے دو اجزاء ہیں: پہلا جزو یہ ہے کہ وہ خالق ہے اور اسی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ دوسرا جزو یہ کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ یعنی اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ کے مصداق اگر چاہے تو اس طرح کی اور مخلوق لے آئے خواہ وہ پہلی مخلوق کے ہوتے ہوئے ہو یا اس کو ختم کرنے کے بعد اور پھر اس نے سب کے خاتمے کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ خاتمے کا وقت مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور دوبارہ مخلوقات کو پیدا کرنا بھی اس کے دائرہ اختیار میں ہے۔ جن کفار ومشرکین نے اللہ رب العزت کی بجائے کسی اور کو خالق اور رب خیال کر کے اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کو ماننے سے انکار کر دیا، قرآن نے انہیں ظالم قرار دے کر ان کے اس عمل کو ناشکری سے تعبیر کیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ زندگی اور موت کا خالق و مالک ہے

یہ کائنات بے شمار جاندار اور بے جان مخلوقات کا مجموعہ ہے، زندگی اس کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے، اسی سے اس کائنات کا حسنِ رنگ و بو قائم ہے۔ انسان ہو یا

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷:۹۹

حیوان، درخت ہوں یا پرندے سب اسی کارخانۂ قدرت کے مظہر ہیں۔ ان مظاہرِ کائنات میں زندگی کی طرح موت بھی قدرت کی ایک بڑی حجت ہے۔ الغرض موت اور زندگی جس کا اظہار کائنات میں ہر آن، ہر جگہ اور ہر لمحہ جاری و ساری ہے اس کا خالق و مالک صرف اللہ ہے۔ اس متصرفِ حقیقی کے بغیر کوئی قوت کسی جاندار کو نہ زندہ کر سکتی ہے اور نہ موت سے ہمکنار کرنے کی مجاز ہے۔ سورۃ الحج میں ارشادِ ربانی ہے:

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo(۱)

’’یہ (سب کچھ) اس لئے (ہوتا رہتا) ہے کہ اللہ ہی سچا (خالق اور رب) ہے اور بیشک وہی مُردوں (بے جان) کو زندہ (جاندار) کرتا ہے اور یقیناً وہی ہر چیز پر بڑا قادر ہےo‘‘

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و اختیار کی تعریف اس حوالے سے بھی کی کہ وہ زندگی اور موت کا خالق ہے۔ سورۃ العنکبوت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo(۲)

’’فرما دیجئے: تم زمین میں (کائناتی زندگی کے مطالعہ کے لئے) چلو پھرو، پھر دیکھو (یعنی غور و تحقیق کرو) کہ اس نے مخلوق کی (زندگی کی) ابتداء کیسے فرمائی پھر وہ دوسری زندگی کو کس طرح اٹھا کر (ارتقاء کے مراحل سے گزارتا ہوا) نشوونما دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر شے پر بڑی قدرت رکھنے والا ہےo‘‘

یہاں ایک بار پھر اللہ رب العزت نے ارضی و سماوی کائنات کی تخلیق کو اپنے حکم و اختیار کا نتیجہ قرار دیا ہے کہ تخلیق کا آغاز کرنے والا بھی وہی ہے اور تخلیقِ نو کرنے والا اور

(۱) الحج، ۲۲:۶

(۲) العنکبوت، ۲۹:۲۰

پہلی تخلیق کو نئی تخلیق سے بدلنے والا بھی وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا دائرہ دنیوی موت و حیات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہی ہے جو انسان کو مرنے کے بعد قبروں سے زندہ بھی کرے گا، قرآن نے انسان کو قدرتِ الٰہیہ کے اسی تصرف کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ○ (۱)

''فرما دیجئے: اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے اور پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر تم سب کو قیامت کے دن کی طرف جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

سورۃ التغابن میں اسی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ○ (۲)

''کافر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ (دوبارہ) ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے۔ فرما دیجئے: کیوں نہیں، میرے رب کی قسم، تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں بتا دیا جائے گا جو کچھ تم نے کیا تھا، اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے○''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بہ جا اپنی قدرت کو صراحت کے ساتھ ان اصطلاحوں کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔

۵۔ بصارت وسماعت کا حقیقی اختیار اسی کے پاس ہے

قرآن حکیم میں قدرتِ الٰہی کا حقیقی تصور سمجھنے اور اس امر کا یقین کرنے کے لئے کہ کسی دوسرے کے لئے وہی قدرت ثابت کرنے سے شرک کیسے لازم آتا ہے، اس

(۱) الجاثیۃ، ۴۵:۲۶

(۲) التغابن، ۶۴:۷

ارشاد ربانی پر غور کرنے سے معلوم ہوگا:

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ط كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ قلا وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْاط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○[1]

''یوں لگتا ہے کہ بجلی ان کی بینائی اُچک لے جائے گی، جب بھی ان کے لئے (ماحول میں) کچھ چمک ہوتی ہے تو اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت بالکل سلب کر لیتا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے○''

اس آیتِ کریمہ میں بتایا گیا کہ گھٹا ٹوپ بادلوں کی تاریکی میں آسمانی بجلی ان کفار و مشرکین کی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔ جب روشنی ہوتی ہے تو وہ چلنے لگتے ہیں اور جب تاریکی کا ماحول انہیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو ان کے قدم رک جاتے ہیں۔ اس آیتِ مبارکہ نے واضح کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں سلب کر لیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں اللہ رب العزت کی قوت و اختیار کا تعیّن اس کی حاکمیت و اختیار کی مطابقت سے کیا گیا ہے۔ لوگوں کی ہدایت اختیار کرنے اور گمراہی میں مبتلا ہونے کی مثال بجلی سے دی گئی ہے کہ جب وہ چمکتی ہے اور گرجتی ہے تو اچانک گردو پیش کا ماحول روشن ہو جانے سے کافر لوگ اس میں چلنے لگتے ہیں جبکہ اندھیرے میں ان کے قدم رک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قدرت میں ہے کہ ان کی سماعت اور بصارت یعنی ان کی بینائی اور سننے کی قوت ختم کر دے۔ اس طرح کی بیسیوں آیات دراصل اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ کی قدرت کیا ہے؟ قرآن مجید میں اس توضیح کا مقصد توحید فی القدرت کا بیان ہوتا ہے۔

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۰

• شرک فی القدرت

اللہ رب العزت کی صفات وتصرفات قدرتِ مطلقہ اور شانِ خالقیت کو کسی غیر کے لئے مطلق اور بالذات ثابت کرنا شرک فی القدرت ہے۔ اس کے علاوہ باقی تصرفات کو اگر غیر کے لئے ثابت بھی کردیا جائے تو اس سے شرک واقع نہیں ہوگا کیونکہ ایسے تصرفات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہیں بلکہ اس نے اپنے بندوں کو ان کی قوت و طاقت ودیعت فرما رکھی ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی قدرت، طاقت اور ملکہ عطا کردے اور وہ اسے بروئے کار لائے تو یہ ہرگز شرک نہیں ہوگا بلکہ منشاء اور حکمِ الٰہی کی تعمیل ہوگی۔ شرک اس وقت ہوگا جب تصرف بالذات کی وہ شان جو قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے کسی غیر کے لئے خواہ تھوڑے عرصے کے لئے ہی کیوں نہ ہو ثابت کی جائے۔ قرآن سے اس کی چند مزید مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ تغیرِ روز وشب کی قدرت

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف بالذات کی شان ہے کہ اگر وہ قیامت تک رات مسلط کرنے کا فیصلہ کردے تو کسی کو طاقت حاصل نہیں جو اس کی جگہ دن کی روشنی لا سکے۔ سورۃ القصص میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ط اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ (۱)

”فرما دیجئے: ذرا اتنا بتاؤ کہ اگر اللہ تمہارے اوپر روزِ قیامت تک ہمیشہ رات طاری فرما دے (تو) اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے۔ کیا تم (یہ باتیں) سنتے نہیں ہو؟“

گردشِ لیل ونہار پر قدرت و اختیار فقط اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے وہی ذات رات

(۱) القصص، ۲۸: ۷۱

کو دن اور دن کو رات میں بدلنے پر قادر ہے۔ اللہ ﷻ نے اس کے بدلنے کی طاقت کسی کو نہیں دی۔ اگر کوئی ایسا اعتقاد کسی غیر کے لئے رکھے گا تو وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی قوت و طاقت کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ○(۱)

''اور اللہ رات اور دن کو (ایک دوسرے کے اوپر) پلٹتا رہتا ہے، اور بیشک اس میں عقل و بصیرت والوں کے لئے (بڑی) رہنمائی ہے○''

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ز كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○(۲)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور (اسی نے) سورج اور چاند کو مسخّر کر رکھا ہے، ہر کوئی ایک مقرر معیاد تک چل رہا ہے اور یہ کہ اللہ ان (تمام) کاموں سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے○''

۲۔ اللہ ﷻ کے سوا کوئی رازقِ حقیقی نہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بہ جا اپنے حقیقی رازق ہونے اور معبودانِ باطلہ کی رزق پر قدرت و اختیار کی نفی بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

(۱) النور، ۲۴:۴۴

(۲) لقمٰن، ۳۱:۲۹

وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ○(۱)

’’اور اللہ کے سوا ان (بتوں) کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں سے ان کے لئے کسی قدر رزق دینے کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ہی کچھ قدرت رکھتے ہیں○‘‘

ایک اور مقام پر فرمایا:

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ. (۲)

’’پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو۔‘‘

مذکورہ بالا آیات میں بڑے حسن وخوبی کے ساتھ واضح کر دیا گیا کہ رزق دینے کا اختیار اللہ جل مجدہ کے سوا اور کوئی نہیں رکھتا کہ آسمانوں اور زمین میں اسبابِ رزق کا مالک صرف وہی ہے۔

افراد اور وسائل کو ذریعہ اور سبب ماننا شرک نہیں

ہمارا زیر بحث موضوع توحید فی الالوہیت کا ذیلی عنوان توحید فی القدرت ہے۔ یعنی موت و حیات، رزق اور نفع و نقصان کا حقیقی مالک و متصرف اللہ تعالیٰ کو ماننا توحید اور کسی اور کو ان امور میں حصہ دار اور ساجھی ماننا شرک ہے۔ حقیقی رازق اللہ تعالیٰ ہے لیکن عطائے رزق کے اسباب اسی کے پیدا کردہ ہیں، ہم حصول رزق کے لئے محنت مزدوری کرتے ہیں جس کے سبب زمین سے رزق حاصل ہوتا ہے۔ ان اسباب میں افراد بھی ہیں ایک شخص دوسرے کے لئے رزق کا سبب بنتا ہے۔ یہ جملہ اسباب اختیار کرنا انسان کی مجبوری بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی۔ اب اگر کوئی کہے کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا

(۱) النحل، ۱۶: ۷۳

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۱۷

کسی شخص سے رزق حاصل کرنا شرک ہوگا تو یہ تصور حماقت اور ناسمجھی کہلائے گا توحید نہیں۔

اسی طرح والدین اولاد کی ولادت کا سبب بنتے ہیں، استاد اور عالم علم دینے کا سبب ہیں اور مالک ملازم کے ذریعۂ معاش کا سبب ہوتا ہے۔ الغرض یہ ساری چیزیں اللہ جل مجدہ عطا فرماتا ہے، شان و شوکت وہی دیتا ہے لیکن وہ ان چیزوں کا خود سبب نہیں بنتا بلکہ مخلوق میں سے ہی کسی کو بناتا ہے، اللہ جل مجدہ خود مُسَبِّب ہے مُسَبَّب نہیں۔ سبب اور مسبَّب ہمیشہ مخلوق ہوتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ خالقِ اسباب ہے۔ سبب ہمیشہ ذرائع ہوتے ہیں جن کا شمار مخلوق میں ہوتا ہے۔ سبب میں اچھے لوگ بھی ہو سکتے ہیں اور برے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم جس عقیدے کو شرک قرار دیتا ہے وہ دراصل مشرکین کا یہ بنیادی تصور ہے جس کے مطابق وہ اپنے ان جھوٹے معبودوں کے ساتھ نفع و نقصان کا ایسا عقیدہ وابستہ کر لیتے تھے جو خالق کی شان کے لائق اسی کے لئے ہونا چاہئے۔ مثلاً ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی ایسی ماورائی طاقت ہے جو کسی کو نقصان اور فائدہ پہنچانے کی مالک و مختار ہے۔ یہ مشرکانہ عقیدہ ہے لیکن دوسری طرف اگر ہم نقصان اور فائدہ کا موجب بننے کے معنی کو عمومی پیرائے میں لیں تو پھر ہر ایک امر شرک کے زمرہ میں چلا جائے گا اور ہر چیز اپنا جواز کھو دے گی۔

یہ بات خاص طور پر ذہن نشین کرنے والی ہے کہ اگر کوئی کسی غیرِ خدا کو بھی حقیقی مسبِّب جانے اور مانے تب توحید فی القدرت میں شرک ہوگا، ورنہ نہیں۔ لہٰذا کسی راسخ العقیدہ مسلمان کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو مسبِّبِ حقیقی مانتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو وہ فقط وسیلہ، ذریعہ اور سبب تو مانتے ہیں لیکن اس سے اوپر کوئی نہیں جاتا کیونکہ یہ آخری حد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں کسی کے رزق کے مجازی مالک ہونے کی نفی کی ہے اور نہ ہی کسی کے رزق کے سبب ہونے کو شرک قرار دیا ہے۔ اگر کوئی اس سے مختلف عقیدہ یا یقین رکھے کہ اصل اور مطلق اختیار و حاکمیت کا مالک جس طرح اللہ رب العزت ہے کوئی اور بھی کلی یا جزوی طور پر اس جیسا مالک ہوسکتا ہے اور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا شریک اور ساجھی ہے یا ہوسکتا ہے تو یہ عقیدہ یقیناً

شرک ہے۔ اس کے برعکس اگر عقیدہ یہ ہو کہ والدین، سرپرست اور حکمران کی طرح انبیاء و اولیاء کو اختیار و قدرت اسی نے عطا کی ہے تو پھر شرک کا قطعاً کوئی امکان باقی نہیں رہتا اور عقیدۂ توحید میں کسی بھی شرک کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

۳۔ نفع و نقصان کا مالکِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے

سورۃ الاعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ط وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ. (۱)

’’آپ (ان سے یہ بھی) فرما دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا خود مالک نہیں ہوں مگر (یہ کہ) جس قدر اللہ نے چاہا، اور (اسی طرح بغیر عطاءِ الٰہی کے) اگر میں خود غیب کا علم رکھتا تو میں از خود بہت سی بھلائی (اور فتوحات) حاصل کر لیتا۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ میں بذاتِ خود کسی چیز کا اس طرح مالک نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو اپنی ذات کو نقصان یا نفع پہنچا سکوں اور نہ میں اس اختیار کا مالک ہوں کہ تمہارے لیے نفع یا نقصان کا موجب بن سکوں۔ نفع اور نقصان پہنچانے کا کوئی شخص فی نفسہٖ اختیار نہیں رکھتا اس لئے کہ اس کا اختیار اس بالاتر ہمہ مقتدر قوت کے پاس ہے جو حکم اور اختیار رکھنے والی ہے اور وہی فرماں روا ہے۔ وہ جس کو چاہے جتنا چاہے اور جب تک چاہے نفع و نقصان کا موجب بنا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے نفع بخشی اور اذیت رسانی کی بالقوۃ صلاحیت اور قابلیت مخلوق میں پیدا کی اور اسے نفع و نقصان کا موجب بنایا۔ اس نفع بخشی اور فیض رسانی میں انبیاء و اولیاء، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظہر ہوتے ہیں۔ حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی دنیوی و اخروی نعمتوں کا قاسم و مختار بنایا تو یہ تقسیم اور اختیار ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے۔ اسی

(۱) الاعراف، ۷:۱۸۸

لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي. (۱)

''میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جبکہ اللہ عطا کرتا ہے۔''

انبیاء و اولیاء تو اس کے محبوب بندے ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق، قربت اور محبت کا ہوتا ہے۔ ہم تو جڑی بوٹیوں، معدنیات اور اشیائے خوردنی کی تاثیرات کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا سمجھتے ہیں۔ اسی نے ہی زہر کو یہ خاصیت بخشی ہے کہ وہ نقصان کا باعث بنے اور اسی نے سانپ کو بالقوۃ ہلاکت کا موجب بنایا ہے۔ استاد اور دوائی میں فائدہ رسانی کی اہلیت بھی اُسی نے ودیعت کی ہے۔ اگر وہ دوائی کو فائدہ پہنچانے سے روک دے تو کوئی اسے لوگوں کیلئے مفید نہیں بنا سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفع و نقصان اور خیر و شر کا مالک حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق میں جو افراد اور ذرائع ان خصوصیات کے حامل ہیں وہ مجازی ہیں اور انہیں یہ صلاحیت دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ جیسے مالکِ رزق ہے ویسے وہ مالکِ نفع و ضرر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ کسی کے نفع و نقصان کا سبب، وسیلہ یا ذریعہ ہونے کی نفی نہیں کی اور یہ عقیدہ عین توحید ہے۔ وسیلہ کی نفی اس وقت شرک بنتی ہے جب اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی اور کو ان امور کا مالک و قادر بالذات مانا جائے۔

لَا اَمْلِکُ میں قدرت بالذات کی نفی ہے

پاکستان، یورپی ممالک یا کہیں بھی رہائش پذیر عوام الناس کا فہم قرآن عربی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر ان اردو یا انگریزی تراجم پر منحصر ہوتا ہے جو انہیں دستیاب ہوتے ہیں۔ وہ کئی مقامات پر ٹھوکر کھاجاتے ہیں مثلاً محولہ بالا آیت میں لَا اَمْلِکُ کا لفظی ترجمہ کیا جاتا ہے کہ ''میں اختیار نہیں رکھتا'' صحیح فہمِ قرآن نہ رکھنے والے لوگ، لفظِ اختیار

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین، ۱: ۳۹، رقم: ۷۱

کی گہرائی میں جائے بغیر اس کو کسی اور مفہوم میں لیتے ہیں جس سے لا محالہ ادبِ مصطفیٰ ﷺ میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ (قُلْ لَّآ اَمْلِکُ) کا صحیح معنی یہ ہے کہ میں اس اختیار و اقتدار کا مالک نہیں جو بالذات کسی کو نقصان یا نفع دینے کی قدرت رکھتا ہو۔

اس قرآنی ارشاد کا حقیقی معنی و مفہوم حضور ﷺ کی زبان مبارک سے قدرت بالذات کی نفی ہے۔ قدرت عطا کئے جانے کی نفی نہیں اور اس سے یہ باور کرانا مقصود ہے کہ طاقت و اختیار میرے قبضے میں نہیں جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچاتی ہے یا کسی کے حال اور اخلاق کو درست رکھتی ہے۔ کہ اس اختیار کا مالکِ حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے میں نہیں، ذہن نشین کرنے والی بات یہ ہے کہ لَا اَمْلِکُ میں قدرت بالعطاء کی نفی نہیں۔

اسی حقیقت کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید کے ایک اور مقام پر غور کیجئے:

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (۱)

’’تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو، بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے ○‘‘

آیتِ متذکرہ بالا میں مشرکین کو براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں شرک فی الالوہیت کی روش بد کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور انہیں ایک ناقابلِ تردید عقلی دلیل پیش فرمائی کہ دیکھو! خالق، اِلٰہ اور معبود کو رازق بھی تو ہونا چاہئے حالانکہ یہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتے۔ دوسرے الفاظ میں مشرکین کو یہ باور کروایا جا رہا ہے کہ رزق دینے کا اختیار رکھنے والی ذات ہی سرچشمۂ قوت و حاکمیت ہے لہٰذا تمہارے معبودانِ باطلہ کی اصل

(۱) العنکبوت، ۲۹:۱۷

حقیقت جب کھل کر تمہارے سامنے آ چکی ہے تو تمہیں چاہئے کہ ان کی عبادت سے بھی باز آ جاؤ اور رزق فقط اللہ وحدہ لاشریک سے مانگو۔ مذکورہ آیت میں بتوں سے رزق دینے کے اختیار کی نفی کرنے کے لئے بھی لَا یَمْلِكُوْنَ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

اس کی وضاحت ایک اور مقام پر اس طرح ہے:

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ ط قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ط قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِيْرُ لا اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ لا اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ط قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ (۱)

’’(ان کافروں کے سامنے) فرمایئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ (خود ہی) فرما دیجئے: اللہ ہے۔ (پھر) آپ (ان سے دریافت) فرمایئے: کیا تم نے اس کے سوا (ان بتوں) کو کارساز بنا لیا ہے جو نہ اپنی ذاتوں کے لئے کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ کسی نقصان کے۔ آپ فرما دیجئے: کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں یا کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہوسکتی ہیں۔ کیا انہوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اللہ کی مخلوق کی طرح (کچھ مخلوق) خود (بھی) پیدا کی ہو، سو (ان بتوں کی پیدا کردہ) اس مخلوق سے ان کو تشابہ (یعنی مغالطہ) ہوگیا ہو، فرما دیجئے: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے، وہ سب پر غالب ہے○‘‘

یہاں بھی (لَا یَمْلِكُوْنَ) کے کلمات ذاتی قوت و اختیار رکھنے کی نفی کر رہے ہیں۔ اس سے شرک کا رد کیا گیا ہے یعنی لَا یَمْلِكُوْنَ کے الفاظ کا استعمال ردِ شرک کیلئے ہوا ہے۔

(۱) الرعد، ۱۳:۱۶

پھر تیسرے مقام پر یہی مضمون اس طرح بیان ہوا:

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ط وَاللهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (۱)

’’فرما دیجئے: کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے کسی نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا، اور اللہ ہی تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○‘‘

آیاتِ متذکرہ بالا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تصور کو واضح کرنے کیلئے لفظ (یَمْلِکُ) کے استعمال سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ نفع و نقصان کا حقیقی مالک دراصل قادرِ مطلق کی ذات ہے۔ لیکن قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایسی آیات وارد ہوئی ہیں جہاں یَمْلِکُ کا لفظ نہیں بلکہ یہ ارشاد ہے کہ وہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اس لئے نفع یا نقصان کے مالک ہونے کا معنی بغیر بیان کئے یہی متعین کیا گیا ہے۔ چونکہ قرآن مجید ملکیت کے باب میں ایک خاص معنی متعین کر چکا ہے کہ وہی رب ہی نفع و نقصان کا مالکِ بالذات ہے۔ اس تعین سے اس کے معنی میں عمومیت کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اب جہاں بھی نفع و نقصان کی بات ہوگی تو اس سے مراد مالکِ حقیقی اور قادر بالذات اللہ رب العزت کی ذات ہی ہوگی۔ اگر لفظ (یَمْلِکُوْنَ) استعمال نہ بھی ہو تو پھر بھی کوئی یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ ملک، اختیار اور قبضہ کی اصطلاحات کی یہ تعبیر غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ملکیت کسی اور سے بھی منسوب ہوسکتی ہے۔ نہیں، قرآن مجید نے جو بات کہہ دی اس پر دو معیار نہیں ہو سکتے۔

مثال کے طور پر سورۃ الانبیاء میں ’مِلک‘ کا لفظ لائے بغیر بیان کیا گیا ہے:

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ○ (۲)

(۱) المائدۃ، ۵:۷۶

(۲) الانبیاء، ۲۱:۶۶

’’(ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان (مورتیوں) کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں○‘‘

اس آیت کریمہ میں لفظ یَمْلِکُوْنَ استعمال نہیں ہوا لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں مالک ہونے کا معنی نہیں بلکہ عام نفع اور نقصان کی بات کی گئی ہے۔ سانپ کا زہر بھی نقصان کا باعث ہے اور ظالم و جابر حکمران بھی نقصان دینے کا موجب ہیں۔ استاد، والدین، شیخ، ڈاکٹر اور اربابِ اقتدار واختیار نفع و نقصان کا باعث بنتے ہیں تو کیا ان کی نفع بخشی اور ضرر رسانی پر شرک کا حکم لگا دیا جائے گا؟ اگر ایسا ہو تو سارے کا سارا نظام شرک پر مبنی ہو جائے گا اور توحید محض ایک مجرد تصور (Abstract Concept) بن کر رہ جائے گی۔ شرک کا یہ تصور اسلام کی نظر میں قابلِ قبول اور قابلِ عمل نہیں۔

یاد رکھیں کہ اس عالمِ اسباب میں بس دو ہی حقیقتیں ہیں۔ ایک جو نفع و نقصان کا سبب بنتی ہیں اور دوسری جو نفع و نقصان کی مالک ہیں۔ مثلاً زہر اگر بطور دوائی استعمال کیا جائے تو یہ فائدہ دیتا ہے جبکہ سانپ کا ڈسنا یا کسی دوسری صورت میں زہر کا استعمال مضر اور مہلک ہوتا ہے لیکن سانپ اور زہر فی نفسہٖ کسی کو نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اسی طرح دوائی ایک مریض کو صحت یاب کرنے یا صحت کی بحالی میں مددگار ہے لیکن وہ اپنے طور پر صحت دینے کا اختیار نہیں رکھتی۔ بیماری اور صحت کی مالک اور نقصان و فائدہ دینے کا اختیار دوائی میں نہیں، وہ تو محض ایک سبب ہے۔ اس طرح حکیم یا ڈاکٹر بیمار لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ استاد طلباء کے لئے علم پہنچانے کی صورت میں نفع کا ذریعہ بنتے ہیں، ایک طاقتور شخص کمزور لوگوں کو فائدہ دیتا ہے، امراء زکوٰۃ وصدقات کے ذریعے غرباء ومساکین کا سہارا بنتے ہیں۔ غرضیکہ مثبت پہلو میں ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں معاشرے کیلئے مفید ہے۔ جبکہ اس کے برعکس منفی لحاظ سے غلط کار اور بدقماش لوگ جیسے قاتل اور ڈاکو معصوم اور نہتے لوگوں کیلئے تباہی اور نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ ان امثلہ کی روشنی میں کیا درج بالا افراد کو اپنے اپنے شعبوں میں نفع و نقصان کا مالک مانا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ یہی کہا جائے گا کہ وہ نفع و نقصان کے مالک نہیں بلکہ ان خوبیوں کا اظہار کرنا ان کے اختیار میں رکھا گیا ہے۔

اس پوری بحث سے آیتِ کریمہ کے الفاظ کے معنی متعین کرنا پڑیں گے جو یہ ہے کہ ''**بالذات کوئی نفع و نقصان کا مالک نہیں**۔'' نفع و ضرر رسانی کا عمل نظام کائنات کا حصہ ہے ہر شخص دوسرے کو نفع و نقصان پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہے لہٰذا سرے سے اس بحث کا شرک سے کوئی تعلق نہیں۔ شرک صرف اسی صورت متصور ہوگا جب کسی غیر اللہ کو نفع و نقصان کا مالک سمجھا جائے۔

۴۔ سرچشمۂ اختیار و اقتدار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَنْ م بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ○ (۱)

''آپ (ان سے) فرمائیے کہ وہ کون ہے؟ جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جاسکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو○ وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب شانیں) اللہ ہی کے لئے ہیں، (تو) آپ فرمائیں: پھر تمہیں کہاں سے (جادو کی طرح) فریب دیا جا رہا ہے○''

اس آیت میں لفظ (بِيَدِهٖ) اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور قدرتِ کاملہ کو ظاہر کرتا ہے کہ تمام کائنات کو ایک نظم کے ساتھ چلانے کا اختیار اس نے اپنے ہاتھوں میں رکھا ہوا ہے۔ کسی اختیار کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کا اعلان اس مفہوم میں ہے کہ وہی تمام اختیارات کا سرچشمہ اور مالک ہے۔ رزق کے اسباب فراہم کرنے، زندگی اور موت پیدا کرنے، ایک مخلوق کو مٹا کر دوسری مخلوق سے بدلنے کا اختیار بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ یہ اختیار و قدرت کسی نے اسے عطا نہیں کی کیونکہ اس کے اوپر کوئی بالادست ہستی ہے ہی نہیں جو اسے اختیار و حاکمیت دینے والی ہو بلکہ تمام اختیار و اقتدار اور قدرت مطلقاً اسی کے ہاتھ

(۱) المؤمنون، ۲۳:۸۸۔ ۸۹

میں ہے۔ وہی سرچشمۂ طاقت و قدرت اور کلّی اختیار و اقتدار کا مالک حقیقی ہے۔

اس سے یہ مترشح ہوا کہ قدرت و اختیارِ الٰہیہ کا مفہوم اس کے مالک ہونے میں مضمر ہے اور مطلقاً کامل زمامِ اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس تصور کو قرآن نے اچھی طرح واضح کرتے ہوئے دو چیزوں میں امتیاز قائم کیا ہے۔

اولاً: یہ کہ وہ اختیار جو لوگوں کو ودیعت کیا گیا ہے اللہ رب العزت کا عطا کردہ ہے۔

ثانیاً: یہ کہ انہیں یہ اختیار و اقتدار ایک نعمت کے طور پر دیا گیا ہے اور یہ ان کے پاس ایک امانت ہے۔

۵۔ ہدایت و گمراہی کا مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر سبب کئی ہیں

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۱)

’’(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر جمع تھے، (پھر جب ان میں اختلافات رونما ہوگئے) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا، اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کردے جن میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے اور اس میں اختلاف بھی فقط انہی لوگوں نے کیا جنہیں وہ کتاب دی گئی تھی، باوجود اس کے کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں (اور انہوں نے یہ اختلاف بھی) محض باہمی

(۱) البقرۃ، ۲:۲۱۳

بغض و حسد کے باعث (کیا) پھر اللہ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے وہ حق کی بات سمجھا دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ کے آخری حصہ میں اللہ رب العزت نے فرما دیا کہ ہدایت کا مالک حقیقی وہی ہے لیکن ہدایت کے سبب کئی ہو سکتے ہیں ان اسبابِ ہدایت میں سرِ فہرست انبیاء علیہم السلام اور ان پر اترنے والی کتب ہیں۔ ان انبیاء اور کتب کو ہدایت و راہنمائی کا ذریعہ اور سبب کس نے بنایا؟ اسی اللہ نے جو ہدایت کا مالک ہے۔ لہٰذا ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے قرآن مجید کا ارشاد ہے:

يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○(۱)

’’اللہ اس (رسول ﷺ) کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیرو ہیں، سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے اور انہیں اپنے حکم سے (کفر و جہالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان و ہدایت کی) روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ کی سمت ہدایت فرماتا ہے۔‘‘

سورۃ الشوریٰ میں صراط مستقیم کی طرف ہدایت دینے کو بذاتِ خود حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا گیا ہے:

نَهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○(۲)

’’ہم اِس (قرآن) کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں، اور بیشک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے

(۱) المائدۃ، ۵:۱۶

(۲) الشوریٰ، ۴۲:۵۲

ہیں○‘‘

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے اپنے بندوں کو یہ پیغام دیدیا کہ اے میرے بندو! میرے حبیب کا ہدایت دینا اور ہمارا ہدایت دینا دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے اور صرف انہی کو ہدایت نصیب ہوتی ہے جو اس حقیقت کی معرفت اور اس سے وابستگی رکھتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اور صفات لوگوں کیلئے نفع رساں ہے۔ آپ کی دنیا میں تشریف آوری کا مقصد لوگوں کو شرک وضلالت کی تاریکیوں سے باہر نکالنا اور انہیں ہدایت وایمان سے منور کرنا ہے۔ آپ ﷺ بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم پر لائے اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیمات سے بہرہ ور فرمایا۔

اسی مفہوم کو درج ذیل الفاظ میں مزید اجاگر کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ لا يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○(۱)

’’اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں ان کے حمایتی شیطان ہیں، وہ انہیں (حق کی) روشنی سے نکال کر (باطل کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○‘‘

یعنی شیطانی اور رحمانی قوتیں دونوں اپنی اپنی جگہ مصروف عمل ہیں۔ ایک قوت مخلوق کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے اور دوسری ضرر رسانی کی کاوشوں میں مگن ہے۔ حضور اکرم ﷺ اور آپ سے پہلے ہر پیغمبر کو نوعِ انسانی کی بہتری اور فلاح کیلئے مبعوث کیا گیا جبکہ کفار ومشرکین اور ابلیسی قوتیں فلاح کے ان راستوں سے انسان کو بہکانے پر

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۵۷

تلی ہوئی ہیں اور بقول اقبالؒ ’ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاریاں‘‘ جاری ہیں۔

پس اس عالمِ اسباب میں کوئی فائدے کا باعث بنتا ہے اور کوئی نقصان کا۔ وہ اختیار جو ضرر رسانی اور فائدہ بخشی کا باعث ہے اس ذات کے پاس ہے جس نے ہر ایک میں بالقوۃ یہ استعداد پیدا کی کہ وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ تمام رسل، انبیاء اور صلحاء عامۃ الناس کو ہدایت سے بہرور کرنے پر مامور ہوئے۔ جبکہ شیطان اور اس کے حمایتی کفار ومشرکین لوگوں کیلئے نقصان کا باعث ہوئے پس یہ ہر دو گروہ نفع ونقصان کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں کہ چاہے تو لوگ انبیاء وصلحا کی پیروی کرکے ان سے فائدہ حاصل کر لیں یا شیطانی بہکاوے میں آ کر خسارہ مول لیں۔

۶۔ مخلوق کو مجازاً مالک ومختار جاننا شرک نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ لا وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ○ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ط اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ○ (۱)

’’وہ بت اُن کی مدد کی قدرت نہیں رکھتے اور یہ (کفار ومشرکین) اُن (بتوں) کے لشکر ہوں گے جو (اکٹھے دوزخ میں) حاضر کردیئے جائیں گے○ پس اُن کی باتیں آپ کو رنجیدہ خاطر نہ کریں، بیشک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں○‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں معبودانِ باطلہ کی مدد کی طاقت نہ رکھنے سے مراد ان کی قدرت اور ملکیت کی نفی ہے۔

لفظِ مالک قرآن مجید میں حقیقی معنی میں اللہ رب العزت کے لئے استعمال ہوا

(۱) یٰسین، ۳۶: ۷۵۔۷۶

ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ارشاد ہوا:

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○[(۱)]

’’(اللہ ہی) روزِ جزا کا مالک ہے ○‘‘

سورۂ آلِ عمران میں فرمایا:

قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○[(۲)]

’’(اے حبیب! یوں) عرض کیجئے: اے اللہ! سلطنت کے مالک! تو جسے چاہے سلطنت عطا فرما دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت عطا فرما دے اور جسے چاہے ذلت دے، ساری بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے ○‘‘

ان دونوں آیات میں اللہ رب العزت کی مالکیت اور قدرت کا بیان صراحت سے دوٹوک انداز میں ہوا ہے لیکن قرآن مجید میں ہی دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے لفظِ مالک کو مشرکین و منکرین کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے، لیکن یہ مالکیت واضح طور پر مجازاً بیان ہوئی ہے، ارشاد ہوا:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَھُمْ لَھَا مَالِکُوْنَ ○[(۳)]

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہوئی

---

(۱) الفاتحۃ، ۱:۳

(۲) آل عمران، ۳:۲۶

(۳) یٰسین، ۳۶: ۷۱

(مخلوق) میں سے اُن کے لئے چوپائے پیدا کیے تو وہ ان کے مالک ہیں○''

لفظِ مالک کے مجازًا استعمال سے عام ملکیت مراد ہے جب کوئی لفظ مجازی معنیٰ میں آئے تو اس کا شرک کے ساتھ اس لئے کوئی تعلق نہیں رہتا کہ اس مقام پر اس سے حقیقی ملکیت مراد نہیں ہوتی۔

لوگ چیزوں کا مالک ہونے کے باعث ان کے استعمال اور تصرف سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے بعض لوگ زمین، بعض مکان اور بعض بہت ساری چیزوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے لئے لفظِ مالک کا استعمال شرک نہیں ہوگا کیونکہ اس لفظ کے استعمال سے ان کی حقیقی ملکیت مراد نہیں ہوتی بلکہ مجازی ملکیت ہونے کے اعتبار سے الفاظ بھی مجاز کا معنی دے رہے ہوتے ہیں، اس لئے وہ شرک ہو ہی نہیں سکتا۔

قرآن مجید میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جیسے سورۂ یوسف میں عزیزِ مصر کو ''رب'' کہا گیا تو یہ شرک نہ ہوا کیونکہ اس سے مربی اور حکمران مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لفظ جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص تھا اگر کبھی مجازاً اور عرفاً استعمال کرلیا جائے تو بھی معنی اور اطلاق مختلف ہونے کی بنا پر شرک نہیں رہتا۔ شرک صرف اسی صورت میں بنتا ہوتا ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے مالکیت اور قدرتِ حقیقی مراد لی جائے بصورتِ دیگر نہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا○(۱)

''آپ فرما دیں کہ میں تمہارے لئے نہ تو نقصان (یعنی کفر) کا مالک ہوں اور نہ بھلائی (یعنی ایمان) کا (گویا حقیقی مالک اللہ ہے میں تو ذریعہ اور وسیلہ ہوں)○''

اس آیت سے اگر کوئی یہ معنی اخذ کرے کہ حضور نبی اکرم ﷺ بھی عام انسان کی طرح ایک انسان ہیں اور کسی چیز کے مالک ومختار نہیں تو اسے اس کی بدبختی اور

(۱) الجن، ۷۲: ۲۱

بدعقیدگی کے سوا اور کس چیز پر محمول کیا جائے۔ ایسے شخص کا انجام آخرت میں بجز خسارے کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی اور آپ ﷺ کو عطا کردہ اختیارات و تصرفات تمام لوگوں کے لئے نفع رساں ہیں۔ آپ ﷺ جیسی بلند رتبہ صفات کے حامل ہستی کے اختیارات و تصرفات کا انکار کرنا محض جہالت اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

مجازی معنی میں کسی کو مددگار اور کارساز کہنا شرک نہیں

اگر عقیدہ یہ ہو کہ فلاں ''بِاِذْنِ اللہ'' کسی کو نفع دے سکتا ہے اور مشکل میں اس کا مددگار اور کارساز ہوسکتا ہے تو یہ مجازی معنی میں ہوگا حقیقی معنی میں نہیں اور یہ ہرگز شرک نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے اردو اور فارسی میں ''مولا مشکل کشا'' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو مجازی طور پر ایسا کہنا جائز ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہونے کی بنا پر دنیوی اور اخروی امور میں وسیلہ، مددگار اور کارساز سمجھنا شرک نہیں البتہ اگر کوئی ان کو نفع و نقصان کا بالذات مالک مانتے ہوئے ان سے مدد و نصرت مانگے تو یہ شرک ہوگا اور اگر کسی نے اولیاء کرام کو مددگار مانا اور انہیں سبب اور ذریعہ کے طور پر لیا تو پھر یہ شرک نہیں ہوگا۔

یہاں پر یہ باریک اور نہایت اہم نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی یعنی انبیاء کرام اور اولیاء و صالحین کو مستقل طور پر اس طرح تصرف میں شریک سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان کی شرکت کے بغیر دنیا کا نظام نہیں چلا سکتا شرک ہے جیسے سلاطین و امراء اپنے نائبین حکام کے بغیر سلطنت کا انتظام نہیں چلا سکتے اور ان کی بات ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ایسا عقیدہ رکھا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ انبیاء کرام اور اولیاء و صالحین کی محبت اور ادب و تعظیم تو واجب ہے لیکن ان کے اختیار و قدرت میں غلو کرنا درست نہیں۔ پس افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ ہی صراط مستقیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے نیک اور متقی بندوں کو اولیاء کہا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○(۱)

''خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے○''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اپنے آپ کو اور اپنے رسول ﷺ کو ولی کہا بلکہ اس کے ساتھ دوسرے مومنین و متقین کو بھی اس لقب سے ملقّب کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ○(۲)

''بے شک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیں○''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات، اپنے رسول ﷺ اور مؤمنین تینوں کو ولی کہا اور اس امر کی تخصیص کرتے ہوئے اِنَّمَا کلمۂ حصر کے تابع کردیا ہے کہ بیشک تمہارا ولی بالذات تو اللہ ہی ہے۔ ولی کا جو معنی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہی معنی رسول کے لئے اور مؤمنوں کے لئے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مؤمنوں کے لئے بادی النظر میں ایک ہی لفظ استعمال ہوا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ اللہ جل مجدہٗ پر اس کا اطلاق حقیقی اور دوسروں کے لئے مجازی ہے۔ ''اِنَّمَا'' محض حرفِ تاکید نہیں بلکہ کلمۂ حصر ہونے کی وجہ سے اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ تمہارا ولی تو صرف اللہ تعالیٰ اس کا رسول ﷺ اور مؤمنین ہیں، مراد یہ ہے کہ تمہارے مددگاروں میں بس اللہ تعالیٰ، اس کا رسول ﷺ اور ایمان والے ہیں اور چوتھی کوئی ذات نہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ

---

(۱) یونس، ۱۰: ۶۲

(۲) المائدۃ، ۵: ۵۵

قرآن میں جہاں کسی کے ولی ہونے کی نفی کی گئی ہے وہاں غیر مومنین یعنی کافر، فاسق اور فاجر لوگ ہی مراد ہوں گے۔

آیتِ کریمہ سے لوگوں کو یہ باور کرایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں توحید تبھی ہوگی جب اس سے وہی مراد لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے مراد لیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ملکیت مراد ہو گی تو وہ حقیقی، بالذات اور دائمی ہو گی جبکہ رسول ﷺ اور مومنین کے لئے وہ بالذات نہیں بلکہ بالعطاء ہوگی۔ اللہ جل مجدہٗ کی توحید فی القدرت میں قدرت و ملکیت حقیقی ہے جبکہ دوسروں کے لئے سبب اور وسیلہ کے معنی میں ہے۔ لیکن اس میں نفع یا نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جائے گا۔ اس کی صفت کا کسی اور پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ وہ لامتناہی اور غیر محدود ہے جبکہ مخلوق کے لئے جو بھی معنی لیا جائے گا اس کی حد ہوگی۔ اگر عطا ہے تو عطا کی حد ہوگی خواہ اس کی وسعت ساری کائنات کو ہی کیوں نہ محیط ہو مگر وہ بالذات نہیں بالعطاء ہوگی۔ دائمی نہیں عارضی ہوگی۔ مخلوق حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے جب بھی حادث اور قدیم کا ذکر آئے گا تو مخلوق اور خالق کے حوالے سے تخصیص ہوگی اور یہ بدیہی امر ہے کہ تخصیص کئے بغیر شرک کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔

۷۔ تکوینی امور میں انبیاء و اولیاء مأذون من اللہ ہوتے ہیں

مذکورہ بالا عنوانات اور ان کی وضاحت سے یہ امر واضح ہوا کہ شرک تبھی ہو گا جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے بالذات فیض پہنچانے، عطا کرنے، نقصان پہنچانے اور کسی مشکل کو دور کرنے کا ذاتی تصرف دائمی طور پر ثابت کیا جائے۔

بدقسمتی سے بعض لوگوں نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی وہ شانیں جو اللہ رب العزت کی بارگاہ سے انہیں معجزۃً اور کرامۃً عطا کی گئیں ان کو بھی ماننے سے انکار کیا اور ان کے اثبات کو شرک کے ساتھ خلط ملط کر کے ان کی طرف شرک منسوب کر دیا حالانکہ اگر کسی کو بالذات متصرف نہ مانا جائے بلکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ اس کا اپنا اذن نہیں بلکہ اذنِ الٰہی ہے اور وہ عطائے الٰہی سے کسی امر پر متصرف ہوئے تو ایسا عقیدہ رکھنا ہرگز شرک

نہیں۔ صحیح بخاری اور بہت سی کتبِ حدیث میں ایک حدیثِ قدسی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهُ فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ، وَ بَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ، وَ يَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَ رِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا، وَ اِنْ سَاَلَنِيْ لَاُعْطِيَنَّهُ وَ لَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَاُعِيْذَنَّهُ. (۱)

’’میرا بندہ مسلسل نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے، اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اسے عطا فرماتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔‘‘

اس حدیثِ قدسی کی رو سے وہ مقامِ قرب جو کسی بندۂ مرتضٰی کو مجاہدہ اور کثرتِ عبادت و نوافل سے حاصل ہو جاتا ہے وہ نہ کسی کافر کو میسر ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی مشرک اور بت پرست کو۔ یہ مقام حضور نبی اکرم ﷺ، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے کرام کو ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ وہ نفلی عبادت کرتے کرتے اور جادۂ سلوک کی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۳۸۵، رقم: ۶۱۳۷

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۲۰۶، رقم: ۷۸۳۳

۳۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول، ۲: ۲۳۲

۴۔ ابن المبارك، الزهد، ۱: ۳۶۵، قم: ۱۰۳۲

۵۔ بیہقی، الزهد الکبیر، ۲: ۲۶۹، رقم: ۶۹۶

منزلیں طے کرتے ہوئے اللہ جل مجدہ کے اتنے قریب ہو جاتے ہیں کہ اس کے محبوب بن جاتے ہیں۔ جب بندہ نیابتِ الٰہیہ کے اس منصب پر فائز کر دیا جاتا ہے تو پھر اللہ رب العزت اس میں اپنا اذن جاری کر دیتا ہے اور وہ مأذونین یعنی صاحبانِ اذن کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ پھر اس مقام پر جو کچھ اس عبدِ الٰہی سے صادر ہوتا ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اذن اور اس کی عطاء سے ہوتا ہے اور اس بندے کا ہر عمل اذنِ الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے۔

اس کیفیت کو مولانا رومؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللّٰہ بود گرچہ از حلقومِ عبداللّٰہ بود

(اس کا بولنا اللہ تعالیٰ کا بولنا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ بولنا اللہ کے بندے کے منہ سے جاری ہوتا ہے۔)

متکلمین، محدثین اور علماء نے اس موضوع پر بہت زیادہ علمی ابحاث کی ہیں اس پر ان کے دو مؤقف سامنے آئے ہیں۔

پہلا مؤقف

بعض نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے ہاتھوں معجزات وکرامات اور تصرفات صرف اس وقت صادر ہوتے ہیں جب اللہ چاہتا ہے۔ یہ اذنِ الٰہی ان کے لئے دائمی نہیں بلکہ جب کبھی کوئی نیا موقع دوبارہ معجزے یا کرامت کا متقاضی ہو تو پھر نئے سرے سے اذن جاری ہوتا ہے۔ مگر یہ مؤقف کتاب وسنت اور جمہور اہلِ اسلام کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔

دوسرا مؤقف

اس مؤقف کی تصریح جمہور ائمہ، محدثین اور علمائے کرام نے فرمائی ہے۔ اس کی تائید نصوص وشواہد اور قرائن سے بھی ملتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ط مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ.(۱)

''اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور (جسے چاہتا ہے نبوت اور حقِ شفاعت سے نوازنے کے لئے) منتخب فرما لیتا ہے، ان (منکر اور مشرک) لوگوں کو (اس امر میں) کوئی مرضی اور اختیار حاصل نہیں ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی عطا سے جب کوئی بندہ اس کا مقرب بن جاتا ہے تو اسے اس درجے سے آگے درجہ مأذونیت پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ اس مقام پر جو اذن اس کی زبان سے جاری ہوتا ہے اسے اگر من جانب اللہ دیکھیں تو وہ معجزات و کرامات قدرتِ الٰہی کا مظہر ہوتے ہیں۔ اگر من جانب العبد دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجۂ مقربیت و مأذونیت پر فائز ہونے کے باعث، معجزات و تصرفات اور کرامات کا صدور اور اس کی استعداد اس محبوب بندے میں پیدا کر دی جاتی ہیں۔ اس درجۂ مأذونیت کی برکات اور ثمرات کی وجہ سے وہ اس درجہ مختار بنا دیئے جاتے ہیں کہ اللہ رب العزت انہیں مخلوق میں تصرف کرنے کا اختیار عطا فرما دیتا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے فیضیاب ہونے کے بعد پھر بھی مختار بالذات نہیں ہوتے بلکہ بہ عطائے الٰہی اور باذنِ الٰہی مختار ہوتے ہیں چونکہ مقرب ہونے کے باعث مأذون ہیں لہٰذا جب تک مأذون رہیں تب تک مختار بھی رہتے ہیں اس کو قانونی زبان میں اختیارات کی تفویض (Delegation of Powers) کہتے ہیں۔ ایک کام کے لئے جب ایک بار اختیار دے دیا گیا تو اس کے استعمال میں ہر بار اجازت نہیں لینا پڑتی بلکہ یہ اجازت اس وقت تک برقرار رہتی ہے جب تک بندہ اس درجۂ ماذونیت پر فائز رہتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے مرتبۂ نبوت و رسالت اور مرتبۂ ولایت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اپنے تصرفات میں اس قدر مختار ہوتے ہیں کہ بقول حکیم الامت علامہ اقبالؒ اس مقام پر فائز کر دیئے جاتے ہیں کہ

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

کا مصداق بن جاتے ہیں۔

(۱) القصص، ۲۸:۶۸

۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ دائرۂ ماذونیت میں مختارِ کل ہیں

بعض کلمات کا اطلاق بعض جگہوں میں مختلف معنی دیتا ہے۔ مثلاً لفظِ کُل جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوگا تو حقیقی معنی میں ہوگا مگر جب یہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی بندۂ مرتضٰی کے لئے استعمال ہوگا تو اضافی معنی میں ہوگا۔ حضور ﷺ کے لئے مختارِ کُل اسی معنی میں مراد لیا جاتا ہے۔ جب یہی لفظِ کُل مخلوق کے لئے استعمال ہو تو اس کے اطلاقات اور مفاہیم درجہ بدرجہ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک چیز کسی دوسری چیز کے مقابلے میں کُل ہے تو وہی چیز کسی دوسری کے مقابلے میں جزو ہوگی۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، اس طرح جیسے ہماری یہ کائنات دنیا کے مقابلے میں کُل ہے مگر یہی کائنات باقی سب کائناتوں کے مقابلے میں جزو ہے۔

انسانی علم جتنا بھی لامحدود اور وسیع ہو جائے وہ ''ما کان اور ما یکون'' (جو ہو چکا اور جو ہوگا) کی حدود کے اندر ہی رہتا ہے اس سے آگے اس کی حدیں ختم ہوجاتی ہیں۔ یہی ''کُل'' انسانی علم جب حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کے علم کے مقابلے میں رکھا جائے گا تو مخلوق کا سارا علم حضور ﷺ کے علم کے مقابلے میں محض جزو ہوگا اور آپ ﷺ کا علم تمام مخلوق کے علم کو محیط ہوگا۔ مگر جب حضور نبی اکرم ﷺ کا ''کُل'' علم اللہ رب العزت کے علم کے مقابل لایا جائے تو یہ اس کا جزو ہوگا۔ اسی طرح حضور ﷺ کے اختیارات، اختیاراتِ الٰہی کے مقابلے میں جزو اور بعض ہیں جبکہ باقی ساری مخلوق کے اختیارات و تصرفات، اختیاراتِ مصطفی ﷺ کے مقابلے میں جزو ہوں گے۔ حضور ﷺ کے کلی اختیارات و تصرفات اذنِ الٰہی سے جاری ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گے اور جو چیز آپ ﷺ کے دائرۂ ماذونیت میں ہے اس میں آپ ﷺ مختارِ کُل ہیں اور آپ ﷺ کا یہ منصب و درجہ ابدالآباد تک قائم رہے گا۔

۹۔ اختیار کی تفویض سنّتِ الٰہیہ ہے

توحید فی القدرت کے باب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت کا اختیار جس قدر چاہا

اپنے انبیاء کو تفویض کر دیا۔ جو دنیاوی اور شرعی امور میں قوانین وضوابطِ الٰہی کے تابع ہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (۱)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے○''

اللہ تعالیٰ نے اولو الامر (بااختیار حاکم اور امیر) کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ترتیب سے اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ اور بااختیار حاکم (اولو الامر) کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اولو الامر سے مراد وہ امیر ہے جو اسلامی ریاست میں اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا پابند ہو۔ اس طرح وہ سب سربراہان، حکام اور صاحبانِ اقتدار جن کو اسلامی ریاست مقرر کرے اولو الامر کے زمرے میں آتے ہیں اور وہ سب مشروط الاطاعت ہیں۔ قرآن نے ایک مقام پر کہا ہے کہ سب امر یعنی اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ. (۲)

''فرما دیں کہ سب امر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

---

(۱) النساء، ۴: ۵۹

(۲) آل عمران، ۳: ۱۵۴

جبکہ سورۂ نساء کی آیت : ۵۹ میں حکم دیا جا رہا ہے کہ ریاستِ اسلامی کے مقتدر اور مختار صاحبانِ امر کی اطاعت کی جائے اگر تصورات میں تخصیص کئے بغیر عام ڈگر اختیار کی جائے اور خالق ومخلوق کے لئے لفظِ ''امر'' کو ایک ہی شمار کیا جائے تو انتشار، افراتفری اور عقیدۂ توحید میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایک واضح، مناسب اور برمحل نقطۂ نظر اپنایا جائے اور وہ یہی ہے کہ خالقِ کائنات کی طرف ''امر'' کی نسبت ذاتی طور پر ہے جبکہ مخلوق کی طرف نسبت اس کی طرف سے تفویض کردہ ہے۔

ا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا احکامِ منصوصہ میں استثناء کا اختیار

اللہ تعالیٰ نے احکامِ حلّت وحرمت جاری کرنے کا اختیار اپنے رسول ﷺ کو عطا کر دیا کہ آپ ﷺ کسی بھی چیز کو اجازت اور رخصت کا اختیار بروئے کار لا کر حلال قرار دے سکتے ہیں اور کسی بھی شے کو منع اور نہی فرما کر حرام میں بدل سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ کا فرمان ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○[1]

''(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امّی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم ومعارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف وکمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو

(۱) الاعراف، ۷:۱۵۷

انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمت آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں○‘‘

اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو حرام قرار دیا اور حضور نبی اکرم ﷺ نے قرآن کی حرمت کے احکام میں استثناء پیدا کیا ہے۔ مثلاً وہ جانور جسے شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے اس کا کھانا حلال ہے اگر وہ درست طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو اور اس کی موت واقع ہوگئی تو وہ جانور مردار اور حرام تصور ہوگا۔ اس قرآنی حکم میں حضور ﷺ نے استثناء کرتے ہوئے مچھلی اور ٹڈی کو حلال فرمایا۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ: اَلْحُوْتُ وَ الْجَرَادُ.(۱)

’’ہمارے لئے دو مردار حلال کئے گئے ہیں: مچھلی اور ٹڈی۔‘‘

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں اس استثناء کا ذکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ، فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ: فَالْحُوْتُ وَالْجَرَادُ، وَ أَمَّا

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الصید، باب صید الحیتان و الجراد، ۲: ۱۰۷۳، رقم: ۳۲۱۸

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۵۷

الدَّمَانِ: فَالكَبِدُ وَالطِّحَالُ.(۱)

’’ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں دو مردار تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔‘‘

مردار اور خون کی حرمت کا اعلان حکمِ قرآنی ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے تشریعی اختیارات سے اس حکم میں استثناء کرتے ہوئے مردار مچھلی، ٹڈی اور خون کلیجی اور تلی کو حلال قرار دیا۔ مچھلی کو ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی موت فطری طور پر ہوتی ہے۔ پس ہم مچھلی، ٹڈی، کلیجی اور تلی کو جو قرآنی حکم کے مطابق ’’میتۃ اور دم‘‘ کی تعریف میں آتے ہیں، حلال کے طور پر کھاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن میں ان اشیاء کی حلت کا استثنائی حکم نہیں دیا گیا۔ یہاں اس بنیادی نکتہ کا فہم ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو بطورِ شارع قانون سازی کا اختیار تفویض کیا گیا۔ جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیثیت صرف قرآن کے شارح ہی کی نہیں بلکہ آپ ﷺ کو بطور شارع (قانون دہندہ) کے قرآن کے علاوہ بھی بعض چیزوں کو حرام و حلال کرنے کا اختیار عطا ہوا۔ یہ معاملہ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ حیثیت اور آپ ﷺ کے مقنّن اور قانون ساز شارع ہونے کی حیثیت کا ہے۔ قرآن نے آپ ﷺ کی ان دو جہتوں کو جدا جدا بیان کیا ہے۔ بعض شرعی معاملات میں قرآن مجید کا واضح حکم (قانون) موجود نہیں ہے وہاں حضور نبی اکرم ﷺ شارع یعنی صاحبِ اختیار فرمان دہندہ کی حیثیت سے قانون سازی کرتے ہیں۔ دوسری حیثیت اللہ تعالیٰ کے قانون پر رائے دہی اور تشریح سازی کی ہے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار بروئے کار لاتے ہیں۔ اس اعتبار سے حضور نبی اکرم ﷺ جو کچھ اپنی زبان سے فرما دیں اور جس بات کا اظہار کریں وہ قانون بن جاتا ہے، یہی حاکمانہ حیثیت امر کہلاتی ہے۔

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۷، رقم: ۵۷۲۳
۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱: ۲۵۴، رقم: ۱۱۲۸
۳۔ بیہقی، شعب الایمان، ۵: ۲۱، رقم: ۵۶۲۷

۲۔ حضور ﷺ کا غیر منصوص احکام میں تشریعی اختیار

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ غیر منصوص احکام آپ ﷺ کو تفویض کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے حکم سے حضور نبی اکرم ﷺ کو شارع مقرر کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

و قَدْ اَقَامَ اللهُ مقام نفسه فی أمر و نهيه و أخباره و بيانه.(۱)

''اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو امر، نہی اور خبر دینے اور بیان کرنے میں اپنا نائب مقرر کیا ہے۔''

ملا علی قاریؒ تفویضِ احکام کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن ثم عد ائمتنا من خصائصه عليه السلام انه يخص من شآء بما شاء كجعله شهادة خزيمة بن ثابت شهادتين (رواه البخاری) وكترخيصه فی النياحة لأم عطية فی آل فلان خاصة (رواه مسلم) قال النووي للشارع أن يخص من العموم ما شاء وبالتضحية بالعناق لأبي بردة بن نيار وغيره.(۲)

''یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہ (فقہاء و محدثین) نے اس امر کو حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ آپ ﷺ جس کو چاہیں جس حکم کے ساتھ خاص کرلیں جس طرح آپ ﷺ نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اکیلی گواہی کو دو گواہوں کے قائم مقام قرار دیا (اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حالانکہ تنازعات یعنی اختلافی معاملات میں قرآنی حکم کے مطابق ایک شخص کی گواہی جائز نہیں) اور اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام

(۱) ابن تيميه، الصارم المسلول: ۴۱

(۲) علی القاری، مرقات المصابيح، ۲: ۳۲۳

عطیہ رضی اللہ عنہ کو فلاں خاندان کے لئے نوحہ کرنے کی اجازت دے دی (اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے جب کہ نوحہ کرنے کی ممانعت تھی) اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ شارع علیہ السلام کے لئے جائز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمومِ احکام میں سے جسے چاہیں خاص فرما لیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سال سے کم عمر کے بکرے کی قربانی کی اجازت عطا فرمائی تھی (جبکہ دوسروں کے لئے ایک سال کی عمر سے کم کی قربانی جائز نہیں ہے)۔''

علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم، (۴: ۹۶) میں یہی لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمومِ احکام میں تشریعی اختیارات من جانب اللہ تفویض کئے گئے ہیں۔

ایک اور حدیثِ مبارکہ محدثینِ کرام اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِيْ أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ مع کُلِّ صَلٰوةٍ.(۱)

''اگر مجھ پر اپنی امت یا (فرمایا) لوگوں کا مشقت میں پڑنا گراں نہ گزرتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، ۱: ۳۰۳، رقم: ۸۴۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الطهارت، باب السواك، ۱: ۲۲۰، رقم: ۲۵۲

۳۔ ترمذی، السنن، ابواب الطهارت، باب ماجاء فی السواك، ۱: ۳۴، رقم: ۲۲

۴۔ ابوحنیفة، المسند، ۱: ۲۰۶، روایته عن علی بن الحسین

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۸۷، رقم: ۷۸۴۵

ائمہ حدیث نے مسواک کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مسواک کو امت پر دشوار سمجھتے ہوئے واجب نہ کیا حالانکہ آپ ﷺ کے لئے کوئی امر مانع نہیں تھا۔ اس سے یہ امر متحقق ہوا کہ غیر منصوص احکام میں حضور نبی اکرم ﷺ کو تشریعی اختیارات حاصل ہیں۔ جن قرآنی آیات اور احادیث میں یہ آیا ہے کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کیا جاسکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ احکام کو حرام یا حرام کردہ احکام کو حلال نہیں کیا جاسکتا۔

تفویض کردہ احکام کا معنی منصوص احکام نہیں ہیں بلکہ اس سے غیر منصوص احکام مراد ہیں۔ منصوص احکام میں تو رد و بدل فی الواقع کفر ہے۔ پس منصوص اور غیر منصوص کی تفریق کرنا ضروری ہے ورنہ بہت سی احادیث میں تعارض لازم آئے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بہت سی اشیاء کی حرمت اور حلت کو بیان فرمایا ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے مثلاً درندوں اور گدھوں کے گوشت کی حرمت بھی حدیثِ رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ غیر منصوص احکام میں آپ ﷺ کے تشریعی اختیار کا تفویض ہونا مسلمہ امر ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ ایک شخص روزہ توڑ دیتا ہے جس کا کفارہ از روئے حکم شریعت غلام آزاد کرنا، ساٹھ لگاتار روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اسے از روئے شرع کفارہ ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ جواب میں عذر پیش کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اس میں کفارہ ادا کرنے کی ہمت نہیں یعنی وہ نہ غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ ہی ساٹھ روزے رکھنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ وہ نفی میں جواب دیتا ہے، پھر کہیں سے صدقہ کی کھجوریں آ جاتی ہیں۔ آپ ﷺ اسے کھجوریں دے کر ارشاد فرماتے ہیں: یہ لے جاؤ اور اسے غرباء میں تقسیم کرو۔ وہ شخص دوبارہ کھڑا ہو کر عرض کرتا ہے: یا رسول اللہ ﷺ شہر مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کوئی نہیں۔ اس پر آپ ﷺ اس قدر مسکرائے کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ آپ ﷺ

نے فرمایا ’’یہ کھجوریں لے جاؤ خود بھی کھاؤ اور اہلِ خانہ کو بھی کھلاؤ یہی تمہارا کفارہ ہے۔‘‘(۱)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو قانون بنانے اور قانون سے مستثنیٰ کرنے کا مطلق اختیار ہے۔

ثابت ہوا کہ اگر درجۂ ماذونیت پر فائز کوئی محبوب بندہ اپنا اختیار ایک دن اور ایک لمحہ کے لئے بروئے کار لایا تو اس اختیار کا اس کے لئے ثابت ہونا شرک نہیں۔ اگر وہ اختیار جو بندۂ مرتضیٰ حضور نبی اکرم ﷺ کو بارگاہ ایزدی سے دائمًا عطا کر دیا گیا ہے اسے آپ ﷺ کے لئے ثابت کرنا کیسے شرک ہو گا؟ شرک ایک ایسی چیز ہے جس میں قلت و کثرت کی کوئی قید نہیں۔ جو کام ایک لمحے کے لئے شرک ہے وہ ساری زندگی کے لئے بھی شرک ہے۔

خلاصۂ بحث

۱۔ قرآن و سنت کی نصوصِ قطعیہ سے یہ امر متعین ہو گیا کہ **ہر چیز کا مالکِ حقیقی ربّ لم یزل ہے** اور مخلوق مالک نہیں بلکہ باعث، واسطہ، ذریعہ اور سبب ہے پس مخلوق کو مسبِّب بنانا شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کو باعث، سبب اور ذریعہ کہنا کفر ہے۔ مالک اور باعث میں بعد المشرقین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت مالک ہونا ہے باعث و سبب ہونا نہیں ہے تو مالک کو باعث اور باعث کو مالک کہنا بہت بڑا التباس ہے۔

۲۔ **صحت و بیماری کا مالکِ حقیقی** اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مخلوق اس ضمن میں وسیلہ، ذریعہ اور واسطہ ہیں مالک بالذات نہیں ہے۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب إذا جامع فی رمضان، ۲: ۶۸۴، رقم: ۱۸۳۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نہار رمضان علی الصائم، ۲: ۷۸۱، رقم: ۱۱۱۱

۳۔ **نفع و نقصان کا مالکِ حقیقی** اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق نفع و نقصان کی مالک نہیں بلکہ سبب اور واسطہ و ذریعہ ہے۔ اگر مخلوقِ خدا کو باعث اور ذریعہ ماننا شرک ہو تو سارا نظام زندگی شرک کی آماجگاہ بن جائے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو نفع و نقصان کا مالک اور مخلوق کو باعث سمجھنا شرک نہیں۔

۴۔ **ہدایت کا مالکِ حقیقی** اللہ تعالیٰ ہے۔ انبیاء اور اولیاء اس کے حکم سے ہادی و مھدی ہیں۔ اس لیے وہ ہدایت کے حصول کیلئے باعث، سبب اور واسطہ ہیں۔ اگر انہیں ہدایت دینے والا نہ مانا جائے تو پھر نظامِ نبوت و رسالت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ پس ہدایت کے باب میں انبیاء و اولیاء کو واسطہ و سبب ماننا عین توحید ہے، شرک نہیں ہے۔

۵۔ **رزق اور وسائلِ رزق کا مالکِ حقیقی** اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق رزق کی مالک نہیں سبب ہے یعنی رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے لیکن وہ اس کا خود سبب نہیں بنتا بلکہ وہ مخلوق میں سے کسی کو سبب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رزق کا مالک اور مسبِّب ہے، سبب اور وسیلہ نہیں بلکہ مالک اور رازق ہے۔

www.MinhajBooks.com

فصل سوم

توحید فی الدُّعاء

اور

شرک فی الدُّعاء

توحید فی الدُّعا

دُعا مومن کا ہتھیار اور عبادت کا مغز ہے۔ یہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلق اور قربت کا ذریعہ ہے۔ دُعا اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے اور بندگانِ خدا کا محبوب عمل بھی۔ اصلاً، حقیقتاً اور شرعاً دُعا اللہ تعالیٰ کے حضور مانگی جاتی ہے اور یہ اسی کے لئے خاص ہے۔ پس توحید فی الدُعا سے مراد یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی کو مستجیب الدعوات (دُعائیں قبول کرنے والا) تسلیم کیا جائے۔ اِسی کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے جائیں اور شدائد و مصائب اور مشکلات و آلام میں اُسی کے حضور گڑگڑا کر گریہ و زاری کی جائے۔

فقط اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور اس کی بارگاہ میں دُعا کرنا توحید فی الدعا ہے جبکہ اِس کے برعکس غیر اللہ کو حقیقی فریاد رس سمجھ کر اُن سے دعا کرنا شرک فی الدعا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

دُعا کے حوالے سے ایک عام غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ’’دَعَا یَدْعُو‘‘ کے ذریعے قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا○“(۱)

’’پس اللہ کے ساتھ کسی اور کی پرستش مت کیا کرو○‘‘

اسی مضمون پر مشتمل بہت سی آیات سے برخود غلط استدلال کرتے ہوئے یہ نکتہ اٹھایا جاتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو نداء ”یا“ کے ساتھ مخاطب کرنا اور متوجہ کرنا شرک ہے

(۱) الجن، ۱۸:۷۲

چنانچہ بعض لوگ بتوں کی پرستش کے بارے میں نازل ہونے والی آیات سے مغالطہ پیدا کر کے ان کو اہل اللہ سے منسوب کرتے ہیں۔ اِس مغالطہ آفرینی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ”دعا یدعو“ کا صحیح معنی و مفہوم نہیں سمجھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ دُعا کا معنی اور اس کے اطلاقات کو قرآنی آیات کے تناظر میں صحیح سیاق و سباق سے دیکھا جائے۔

قرآن حکیم میں لفظِ دُعا کے معانی

لفظِ دُعا، دَعْوٌ یا دَعْوَۃٌ سے مشتق ہے، جس کا لغوی معنی بلانا یا دعا کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں لفظ دُعا تین مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ دُعا بمعنی دعوت (Invitation)

۲۔ دعا بمعنی التجا (Supplication)

۳۔ دُعا بمعنی عبادت (Worship)

اب ہم بالترتیب مذکورہ بالا تینوں معانی کی مثالیں قرآنِ حکیم سے پیش کرتے ہیں:

۱۔ دُعا بمعنی دعوت

دُعا کا پہلا اور معروف معنی دعوت دینا یعنی بُلانا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

۱۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (۱)

”(اے حبیبِ مکرم!) فرما دیجئے: یہی میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر (قائم) ہوں، میں (بھی) اور وہ شخص بھی جس نے میری اتباع کی، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

(۱) یوسف، ۱۲: ۱۰۸

۲۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔(۱)

''(اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے۔''

۳۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ۔(۲)

''اور ہم نے انہیں (دوزخیوں کا) پیشوا بنا دیا کہ (وہ لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔''

۴۔ وَ یٰقَوْمِ مَالِیْٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ○(۳)

''اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو○''

۵۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ○(۴)

''اور اس شخص سے زیادہ خوش گفتار کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے: بیشک میں (اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں○''

۶۔ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ۔(۵)

''مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے (وہ توحید کی بات) جس کی طرف آپ انہیں

(۱) النحل، ۱۶:۱۲۵

(۲) القصص، ۲۸:۴۱

(۳) المؤمن، ۴۰:۴۱

(۴) حم السجدة، ۴۱:۳۳

(۵) الشوریٰ، ۴۲:۱۳

بلا رہے ہیں۔‘‘

۷۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ۔(۱)

’’یاد رکھو تم وہ لوگ ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔‘‘

۸۔ مزید ارشاد ہوا:

وَمَا لَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ ج وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○(۲)

’’اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ رسول (ﷺ) تمہیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بیشک (اللہ) تم سے مضبوط عہد لے چکا ہے، اگر تم ایمان لانے والے ہو ○‘‘

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی میں دعا بمعنی دعوت اِستعمال ہوا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ داعی الی اللہ ہیں اور مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ دُعا بمعنی التجا

دَعَا یَدْعُو کا دوسرا اطلاق پکارنا ہے یعنی بعض جگہ دعا یدعو دعا کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کے حضور اس کے عاجز بندے دعا کرتے ہیں اور وہ ان دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جب کوئی سائل اپنے ہاتھ اٹھا کر مانگتا ہے تو اس وقت التجا کی صورت میں دعا عبادت شمار ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) محمد، ۴۷:۳۸

(۲) الحدید، ۵۷:۸

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ. (۱)

''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(ادعونی) وحدونی قال رسول اللہ ﷺ: الدعاء هو العبادة۔ (۲)

''ادعونی کا معنی ہے صرف مجھ ہی سے دعا کرو، جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: دُعا عبادت ہے۔''

اس حدیثِ پاک کی رو سے وہ دُعا شرک ہے جو غیر اللہ سے ہو اور بطورِ عبادت ہو لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ محض پکارنا ہرگز عبادت نہیں۔

ذاتِ باری تعالیٰ حقیقی معین و مغیث اور مددگار ہے۔ قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی اکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ تک کئی انبیاء علیہم السلام کی وہ دعائیں مذکور ہیں جنہیں باری تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے نوازا۔ اسی طرح سابقہ اُمم کے لوگوں کا مختلف احوال میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا ذکر بھی قرآن مجید میں ملتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں جن آیاتِ مبارکہ میں دَعَا یَدْعُوْ بمعنی ''دعا'' استعمال ہوا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ۔ (۳)

''اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی۔''

۲۔ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ

(۱) المؤمن، ۴۰:۶۰

(۲) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر

(۳) اٰل عمران، ۳:۳۸

تَدْعُوْنَ ج اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ o(۱)

''آپ (ان کافروں سے) فرمائیے: ذرا یہ تو بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ پہنچے تو کیا (اس وقت عذاب سے بچنے کے لئے) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ (ایسا ہرگز ممکن نہیں) بلکہ تم (اب بھی) اسی (اللہ) کو ہی پکارتے ہو پھر اگر وہ چاہے تو ان (مصیبتوں) کو دور فرما دیتا ہے جن کے لئے تم (اسے) پکارتے ہو اور (اس وقت) تم ان (بتوں) کو بھول جاتے ہو جنہیں (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو o''

۳۔ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا.....(۲)

''ارشاد ہوا: بے شک تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم دونوں ثابت قدم رہنا۔''

۴۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔(۳)

''فرما دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو، جس نام سے بھی پکارتے ہو (سب) اچھے نام اسی کے ہیں۔''

۵۔ وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ.....(۴)

''اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع

---

(۱) الانعام، ۶: ۴۰۔ ۴۱

(۲) یونس، ۱۰: ۸۹

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۱۰

(۴) الزمر، ۳۹: ۸

کرتے ہوئے پکارتا ہے پھر جب (اللہ) اُسے اپنی جانب سے کوئی نعمت بخش دیتا ہے تو وہ اُس (تکلیف) کو بھول جاتا ہے جس کے لئے وہ پہلے دعا کیا کرتا تھا۔''

٦۔ لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَ اِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ○(۱)

''انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اسے برائی پہنچ جاتی ہے تو بہت ہی مایوس، آس اور امید توڑ بیٹھنے والا ہو جاتا ہے ○''

٧۔ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ○(۲)

''اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعا کرنیوالا ہوجاتا ہے ○''

٨۔ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○(۳)

''سوانہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں (اپنی قوم کے مظالم سے) عاجز ہوں پس تو انتقام لے ○''

مذکورہ بالا تمام آیات میں دعا کا معنی یہ ہے کہ اللہ رب العزت کو حقیقی معین و مغیث جان کر اُسی سے ہی دُعا کی جائے بلاشک و ریب وہی مجیب الدعوات ہے۔

۳۔ دُعا بمعنی عبادت

محاورۂ قرآنی میں یہ بات بڑی عام اور متداول ہے کہ جہاں عبادت کا معنی مراد ہو وہاں قرآن یدعون کا استعمال کرتا ہے اور عموماً جہاں ''دعا'' من دون اللہ یا مع اللہ کے ساتھ استعمال ہو، وہاں عبادت مراد ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں اس معنی کے حوالے سے کثیر آیات وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حم السجدہ، ۴۱:۴۹

(۲) حم السجدۃ، ۴۱:۵۱

(۳) القمر، ۵۴:۱۰

۱۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔(۱)

''اور آپ ان (شکستہ دل اور خستہ حال) لوگوں کو (اپنی صحبت و قربت سے) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کو صرف اس کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے رہتے ہیں۔''

۲۔ قُلْ اِنِّیْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ۔(۲)

''فرما دیجئے کہ مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان (جھوٹے معبودوں) کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو۔''

۳۔ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا۔(۳)

''فرما دیجئے: کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں جو ہمیں نہ (تو) نفع پہنچا سکے اور نہ (ہی) ہمیں نقصان دے سکے۔''

۴۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ۔(۴)

''بے شک جن (بتوں) کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ بھی تمہاری ہی طرح (اللہ کے) مملوک ہیں۔''

۵۔ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ شَيْءٍ۔(۵)

''سو ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے۔''

---

(۱) الانعام، ۶:۵۲

(۲) الانعام، ۶:۵۶

(۳) الانعام، ۶:۷۱

(۴) الاعراف، ۷:۱۹۴

(۵) هود، ۱۱:۱۰۱

۶۔ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ۔(۱)

''اے ہمارے رب! یہی ہمارے شریک تھے جن کی ہم تجھے چھوڑ کر پرستش کرتے تھے۔''

۷۔ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًاo(۲)

''ہم اس کے سوا ہرگز کسی (جھوٹے) معبود کی پرستش نہیں کریں گے (اگر ایسا کریں تو) اس وقت ہم ضرور حق سے ہٹی ہوئی بات کریں گےo''

۸۔ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ط ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُo يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ط لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُo(۳)

''وہ (شخص) اللہ کو چھوڑ کر اس (بت) کی عبادت کرتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچا سکے اور نہ ہی اسے نفع پہنچا سکے، یہی تو (بہت) دور کی گمراہی ہےo وہ اسے پوجتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، وہ کیا ہی برا مددگار ہے اور کیا ہی برا ساتھی ہےo''

۹۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ۔(۴)

''بیشک جن (بتوں) کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ ہرگز ایک مکھی (بھی) پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب اس (کام) کیلئے جمع ہو جائیں۔''

---

(۱) النحل، ۱۶:۸۶

(۲) الکہف، ۱۸:۱۴

(۳) الحج، ۲۲:۱۲۔۱۳

(۴) الحج، ۲۲:۷۳

۱۰۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ. (۱)

''اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش کرتا ہے اس کے پاس اس کی کوئی سند نہیں ہے۔''

۱۱۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ. (۲)

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پوجا نہیں کرتے اور نہ (ہی) کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے بغیر حق مارنا اللہ نے حرام فرمایا ہے اور نہ (ہی) بدکاری کرتے ہیں۔''

۱۲۔ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ○ مِنْ دُوْنِ اللهِ ط قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا. (۳)

''پھر ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ (بت) جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ کے سوا، وہ کہیں گے: وہ ہم سے گم ہو گئے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کی پرستش نہیں کرتے تھے۔''

۱۳۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ. (۴)

''اور وہ سب (بت) اُن سے غائب ہو جائیں گے جن کی وہ پہلے پوجا کرتے تھے۔''

---

(۱) المؤمنون: ۲۳: ۱۱۷

(۲) الفرقان، ۲۵: ۶۸

(۳) المؤمن، ۴۰: ۷۳۔ ۷۴

(۴) حم السجدہ، ۴۱: ۴۸

۱۴۔ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ. (۱)

''اور جن کی یہ (کافر لوگ) اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ (تو) شفاعت کا (کوئی) اختیار نہیں رکھتے۔''

دُعا بمعنی عبادت: جمہور مفسرین کی صراحت

مندرجہ بالا تمام آیاتِ مبارکہ کے ایسے مقامات میں جہاں دُعا کا معنی عبادت ہے وہاں اس سے مراد بتوں کی عبادت لی گئی ہے۔ عبادت کے معنی میں دعا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لئے جائز نہیں جیسا کہ کفار و مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن اس مفہوم کو انبیاء اور اولیاء عظام کو توسلاً پکارنے پر منطبق کرنا صریحاً منشاءِ قرآن کی خلاف ورزی ہے۔ ایسے مقامات پر جمہور مفسرینِ کرام نے بھی دعا یدعو سے عبادت مراد لیا ہے محض پکارنا نہیں، چند ایک حوالہ جات ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ تفسیر ابنِ عباس

رئیس المفسرین سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر 'تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس'' میں آیاتِ قرآنی میں دعا یدعو سے مشتق الفاظ جب مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے ساتھ ہوں تو ان کے معانی ''عبادت و پرستش'' اور مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد ''کفار و مشرکین کے بت اور طواغیت'' ہیں۔

۱۔ سورۃ الانعام، ۶:۵۶

(اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون (مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) من الأوثان.

یہاں تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ ہے (یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو) اور مِنْ

(۱) الزخرف، ۴۳:۸۶

دُوْنِ اللهِ کا معنی مِنَ الأَوْثَانِ (بت) ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تَدْعُوْنَ سے محض پکارنا مراد نہیں لیا بلکہ ان کے نزدیک اس کا معنی عبادت کرنا ہے جبکہ مِنْ دُوْنِ اللهِ کا معنی بت ہیں۔[۱]

۲۔ سورۃ الانعام، ۶:۷۱

(اَنَدْعُوْ) تأمرونا ان تعبد (مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا) ان عبدناه فی الدنيا و الآخرة (وَلَا يَضُرُّنَا) إن لم نعبده فی الدنيا والآخرة.[۲]

أَنَدْعُوْا کا معنی ہے کہ تم ہمیں یہ کہتے ہو کہ ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں جو ہمیں دنیا اور آخرت میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے خواہ ہم عبادت کریں اور نہ ہی ہمیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں خواہ ہم ان کی عبادت نہ بھی کریں۔

۳۔ سورۃ الانعام، ۶:۱۰۸

(وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ) يعبدون.[۳]

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ کا معنی ہے اور (اے مسلمانو!) تم ان جھوٹے معبودوں کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔

یہاں بھی يَدْعُوْنَ کا معنی محض پکارنا نہیں بلکہ يَعْبُدُوْنَ عبادت اور پرستش کرنا، ہے۔

۴۔ سورۃ الأعراف، ۷:۱۹۴

(إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون (مِنْ دُوْنِ اللهِ) من الأصنام.[۴]

اس آیت کریمہ میں بھی تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ عبادت کرنا اور مِنْ دُوْنِ اللهِ کے معنی مِنَ الْأَصْنَامِ یعنی بت ہیں۔

(۱۔۴) تنوير المقباس من تفسير ابن عباس

۵۔ سورۃ الاعراف، ۷:۱۹۷

(وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون (مِنْ دُوْنِهٖ) مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنَ الأوثان.(۱)

اور جن (بتوں) کو تم اس کے سوا پوجتے ہو۔

یہاں بھی تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ ہے (جن کی تم عبادت کرتے ہو) اور من دونہ سے مراد أوثان (بت) ہیں۔

۶۔ سورۃ یونس، ۱۰:۱۰۶

(وَلَا تَدْعُ) لَا تَعْبُدْ.(۲)

وَلَا تَدْعُ سے مراد لا تعبد (عبادت نہ کرو) ہے۔

۷۔ سورۃ ھود، ۱۱:۱۰۱

(يَدْعُوْنَ) يعبدون.(۳)

يَدْعُوْنَ کا معنی يَعْبُدُوْنَ (وہ پوجتے تھے) ہے۔

۸۔ سورۃ النحل، ۱۶:۸۶

(كُنَّا نَدْعُوْا) نعبد.

كُنَّا نَدْعُوْا کا معنی كُنَّا نَعْبُدُ (جس کی ہم عبادت کرتے تھے) ہے۔

۹. سورۃ الکھف، ۱۸:۱۴

(لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖ) لن نعبد من دون الله.(۴)

لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖ کا معنی لَنْ نَعْبُدَ مِنْ دُوْنِ اللهِ (ہم اللہ کے سوا ہرگز کسی

(۱-۴) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس

(جھوٹے) معبود کی عبادت نہیں کریں گے) ہے۔

۱۰۔ سورۃ الحج، ۲۲:۱۲

(يَدْعُوْا) يعبد. (۱)

یدعوا کا معنی یعبد (عبادت کرنا ہے) ہے۔

۱۱۔ سورۃ الحج، ۲۲:۷۳

(اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون (مِنْ دُوْنِ اللهِ) من الأوثان. (۲)

''بیشک جن (بتوں) کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔''

اس آیت کریمہ میں بھی تدعون کا معنی تعبدون (تم عبادت کرتے ہو) ہے اور من دون اللہ کا معنی من الأوثان (بت) ہے۔

۱۲۔ سورۃ المؤمنون، ۲۳:۱۱۷

(وَمَنْ يَّدْعُ) يعبد (مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ) من الأوثان. (۳)

اور جو شخص اللہ کے سوا بتوں کی عبادت کرتا ہے۔

اس آیت میں بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر کے مطابق يَدْعُ کا معنی يَعْبُدُ اور اِلٰهًا آخر کا معنی اوثان ہے۔

۱۳۔ سورۃ الفرقان، ۲۵:۶۸

(وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ) لا يعبدون مع الله (اِلٰهًا اٰخَرَ) من الأصنام. (۴)

لا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ کا معنی لَا يَعْبُدُوْنَ مَعَ اللهِ (وہ لوگ اللہ کے ساتھ عبادت

(۱۔۴) تنوير المقباس من تفسير ابن عباس

نہیں کرتے) اِلٰھًا اٰخَرَ کا معنی من الأصنام (بتوں میں سے) ہے۔

۱۴۔ سورۃ المؤمن، ۴۰:۷۴

(بَلْ لَّمْ نَکُنْ نَّدْعُوْا) نعبد.(۱)

نَّدْعُوْا کا معنی نَعْبُدُ (ہم عبادت نہیں کرتے تھے) ہے۔

۱۵۔ سورۃ الزخرف، ۴۳:۸۶

(وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ) یعبدون (مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ).(۲)

''اور جن کی یہ (کافر لوگ) اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ (تو) شفاعت کا (کوئی) اختیار نہیں رکھتے۔''

یہاں بھی یدعون کا معنی یعبدون ہے۔

۱۶۔ سورۃ الجن، ۷۲:۱۸

(فَلَا تَدْعُوْا) فلا تعبدوا.(۳)

فلا تدعوا کا معنی فلا تعبدوا (پرستش مت کیا کرو) ہے۔

۲۔ تفسیر بغوی

امام بغوی کے نزدیک بھی جب مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ دَعَا یَدْعُوْ کا استعمال ہو تو عبادت کا معنی دیتا ہے۔ سورہ النحل کی آیت ۸۶ کے تحت وہ رقمطراز ہیں:

(کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ) أربابًا و نعبدهم.(۴)

(۱۔۳) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس

(۴) بغوی، معالم التنزیل، ۳: ۸۱

کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ کا معنی ہے وہ جھوٹے معبود جن کی ہم تجھے چھوڑ کر عبادت کرتے تھے۔

۳۔ تفسیر نسفی

معروف مفسر امام نسفی کے نزدیک بھی جب تدعون کے الفاظ مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ آئیں تو اس سے مراد عبادت ہوتی ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۹۴ کے تحت وہ لکھتے ہیں:

(اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ) أی تعبدونهم و تسمونهم آلهة.(۱)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ کا معنی ہے (بے شک جن بتوں کی) تم عبادت کرتے ہو اور انہیں معبود سمجھتے ہو۔

۴۔ تفسیر ابنِ کثیر

امام ابنِ کثیر نے بھی مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ یدعون اور تدعون کا معنی عبادت کیا ہے۔

ا۔ سورۃ ھود، ۱۱:۱۰۱

(فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ) أوثانهم (الَّتِیْ) يعبدونها و يدعونها (مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ شَیْءٍ) ما نفعوهم ولا انقذهم لما جاء أمر الله بإهلاكهم.(۲)

(۱) نسفی، مدارك التنزيل، ۲: ۱۶۸

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۴۶۰

فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمْ سے مراد اوثانهم (ان کے بت) ہے جن کی وہ عبادت کرتے اور پکارتے (مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ شَيْءٍ) کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا انہوں نے کبھی بھی انہیں نفع پہنچایا اور نہ وہ انہیں اس وقت بچا سکے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ فرمایا۔

۲۔ سورۃ الحج، ۲۲:۷۳

(اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ)

أی لو اجتمع جميع ما تعبدون من الأصنام و الانداد على ان يقدروا على خلق ذباب واحد.(۱)

اس آیت کا معنی ہے یعنی اگر وہ سب بت اور جھوٹے معبود بھی جمع ہو جائیں جن کی تم عبادت کرتے ہو تب بھی وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ ایک مچھر کی بھی تخلیق کر سکیں۔

۳۔ سورۃ المؤمن، ۴۰:۷۴

(لَمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا) أی جحدوا عبادتهم.(۲)

اس میں آیت کا معنی ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت بجا لانے کا انکار کیا تو پتہ چلا کہ ہر جگہ ''دَعَا يَدْعُوْ'' کا معنی محض پکارنا نہیں بلکہ جب وہ مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ضمن میں ہو تو قرآنی اصول کے مطابق وہاں اس سے مراد عبادت ہوتی ہے اور یہی شرک ہے۔

۵۔ تفسیر الجلالین

عالم اسلام کے دینی تدریسی حلقوں میں متداول معروف تفسیر جلالین میں بھی

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳:۲۳۵

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۸۸

قرآنی اصول کے مطابق مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ یدعون اور تدعون کا معنی عبادت ہے۔

۱۔ سورۃ الانعام، ۶:۵۶

(اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون۔[۱]

اس آیت کریمہ میں تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ (تم عبادت کرتے ہو) ہے۔

۲۔ سورۃ الاعراف، ۷:۱۹۴

(اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون۔[۲]

''بے شک جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو۔''

تَدْعُوْنَ سے مراد تَعْبُدُوْنَ (تم عبادت کرتے ہو) ہے۔

۳۔ سورۃ یونس ۱۰:۱۰۶

(وَلَا تَدْعُ) تَعْبد.[۳]

وَلَا تَدْعُ کا معنی وَلَا تَعْبُدْ (اور تم عبادت نہ کرو) ہے۔

۴۔ سورۃ ھود، ۱۱:۱۰۱

(يَدْعُوْنَ) أی يَعبدون.[۴]

يَدْعُوْنَ کا معنی يَعْبُدُوْنَ (عبادت کرتے تھے) ہے۔

۵۔ سورۃ الحج، ۲۲:۱۲

(يَدْعُوْا) يعبد (مِنْ دُوْنِ اللهِ) من الصنم (مَا لَا يَضُرُّهٗ) إن لم يعبده (وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ) إن عبده.[۵]

(۱۔۵) تفسیر الجلالین

یَدْعُوْا کا معنی یَعْبُدُ (عبادت کرتا ہے) ہے مِنْ دُوْنِ اللهِ کا معنی من الصنم (بت) ہے مَا لَا یَضُرُّهُ کا معنی ہے جو اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے اگرچہ عبادت نہ بھی کریں اور وَمَا لَا یَنْفَعُهُ کا معنی (جو اسے نفع نہیں پہنچا سکتے اگرچہ اس کی عبادت بھی کریں) ہے۔

۶۔ سورۃ الحج، ۲۲:۷۳

(اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ) أی غیره و هم الأصنام.(۱)

تَدْعُوْنَ یعنی تَعْبُدُوْنَ (عبادت کرتے ہیں) مِنْ دُوْنِ اللهِ سے، اللہ کے ما سوا بت مراد ہیں۔

۷۔ سورۃ المؤمن، ۴۰:۷۴

(مِنْ دُوْنِ اللهِ) معه و هی الأصنام

مِنْ دُوْنِ اللهِ سے مراد أصنام (بت) ہیں۔

(بَلْ لَّمْ نَکُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْئًا) أنکروا عبادتهم إیاها.(۲)

اس آیتِ کریمہ میں کفار ومشرکین نے بتوں کی عبادت بجا لانے کا انکار کیا ہے محض پکارنے کا نہیں۔

۸۔ سورۃ الزخرف، ۴۳:۸۶

(وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ) یعبدون أی الکفار.(۳)

اس آیت میں بھی یَدْعُوْنَ کا معنی یَعْبُدُوْنَ (کفار کا بتوں کی عبادت کرنا) ہے۔

(۱۔۳) تفسیر الجلالین

۹۔ سورۃ الجن، ۷۲:۱۸

(وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ) مواضع الصلاة (لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا) فيها (مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا) بأن تشركوا كما كانت اليهود و النصارى اذا دخلوا كنائسهم و بيعهم أشركوا.[1]

اس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ مساجد اللہ کے لئے نماز کی جگہ ہیں بس اس میں اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو، کہ تم اس طرح شرک کرو جس طرح یہود و نصاریٰ جب اپنی عبادت گاہوں میں جاتے تھے اور شرک کرتے تھے۔

۶۔ تفسیر فتح القدیر

علامہ شوکانی نے بھی اپنی تفسیر ''فتح القدیر'' میں دَعَا يَدْعُوْ جب مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی عبادت کیا ہے۔

۱۔ سورۃ الانعام، ۶:۵۶

(قُلْ اِنِّیْ نُهِيْتُ) أمره الله سبحانه أن يعود إلى مخاطبة الكفار و يخبرهم بأنه نهى عن عبادة ما يدعونه و يعبدونه من دون الله.[2]

قُلْ اِنِّیْ نُهِيْتُ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حکم دیا کہ کفار کی باتوں کا جواب دیا جائے اور انہیں آگاہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کو بطور عبادت پکارنے سے منع فرمایا ہے جن کی یہ کفار اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں۔

www.MinhajBooks.com

(۱) تفسیر الجلالین

(۲) شوکانی، فتح القدیر، ۲: ۱۲۲

۲۔ سورۃ الانعام، ۶:۷۱

(قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ) أی کیف ندعوا من دون الله أصناما لا تنفعنا بوجه من وجوه النفع إن أردنا منها نفعا و لا نخشی ضرها بوجه من الوجوه، ومن کان هکذا فلا یستحق العبادة.(۱)

قُلْ اَنَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللهِ سے مراد ہے: ہم کس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کی عبادت کریں جو ہمیں کسی طرح بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے خواہ ہم ان سے کسی نفع کی توقع رکھیں اور نہ ہمیں ان سے کسی قسم کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ پس جن کی اتنی سی حیثیت ہو وہ ہرگز عبادت کے لائق نہیں ہوسکتے۔

۳۔ سورۃ ھود، ۱۱:۱۰۱

(فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمْ) أی فما دفعت عنهم أصنامهم التی یعبدونها من دون الله شیئا من العذاب.(۲)

(فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمْ) سے مراد ہے جن بتوں کی وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا عبادت کرتے تھے وہ ان کفار سے اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ ٹال سکے۔

۴۔ سورۃ النحل، ۱۶:۸۶

(اَلَّذِیْنَ کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ) أی الذین کنا نعبدهم من دونک.(۳)

(اَلَّذِیْنَ کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ) سے مراد ہے: یہی ہمارے شریک تھے ہم

(۱) شوکانی، فتح القدیر، ۲:۱۳۰
(۲) شوکانی، فتح القدیر، ۲:۵۲۴
(۳) شوکانی، فتح القدیر، ۳:۱۸۷

تجھے چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے تھے۔

۵۔ سورۃ الحج، ۲۲:۱۲

(يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ) أی يعبد متجاوزا عبادة الله الی عبادة الاصنام (مَا لَا يَضُرُّهٗ) إن ترک عبادته، (وَلَا يَنْفَعُهٗ) إن عبده لکون ذلک المعبود جمادا لا يقدر علی ضرر ولا نفع.

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ سے مراد ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کی عبادت کرتا ہے جو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اگرچہ وہ اس کی عبادت ترک بھی کرے اور نہ وہ بت اسے کوئی نفع پہنچا سکتا ہے خواہ وہ اس کی عبادت بھی کرے اس لئے کہ وہ جس بت کی عبادت کرتا ہے وہ تو ایک بے جان چیز ہے جو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر ہی نہیں۔

۶۔ سورۃ الحج، ۲۲:۷۳

(اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) والمراد بما يدعونه من دون الله: الاصنام التی کانت حول الکعبة و غيرها.

و قيل المراد بهم السعادة الذين صرفوهم عن طاعة الله لکونهم أهل الحل والعقد فيهم.

و قيل الشياطين الذين حملوهم علی معصية الله، والأول أوفق بالمقام و أظهر فی التمثيل.(۱)

''اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ سے مراد ایک تو وہ بت ہیں جو کعبۃ اللہ کے اردگرد تھے یا اس کے علاوہ دیگر بت جن کی مشرکین اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے۔

(۱) شوکانی، فتح القدیر، ۳:۴۲۹

دوسرا یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے وہ سردار اور وڈیرے مراد ہیں جنہوں نے لوگوں کو اللہ کی اطاعت سے روکا کیونکہ وہی ان کے ارباب بست و کشاد تھے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد وہ شیاطین ہیں جنہوں نے ان کو اللہ کی معصیت پر ابھارا۔ مذکورہ معانی میں سے پہلا معنی مقام و محل اور تمثیل کے اعتبار سے زیادہ موافق ہے۔''

۷۔ سورۃ المؤمنون، ۲۳:۱۱۷

(وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ) يعبده مع الله أو يعبده وحده.(۱)

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے ساتھ کسی اور بت کی عبادت کرتا ہے یا اکیلے صرف بت کی عبادت کرتا ہے۔

۸۔ سورۃ المؤمن، ۴۰:۷۴

(بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا) أی لم نكن نعبد شيئا.(۲)

بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا سے مراد ہے: ہم تو پہلے کسی بھی چیز کی عبادت نہیں کرتے تھے۔

۹۔ سورۃ الزخرف، ۴۳:۸۶

(وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ) أی لا يملک من يدعونه من دون الله من الأصنام.(۳)

www.MinhajBooks.com

(۱) شوکانی، فتح القدیر، ۳: ۵۰۱
(۲) شوکانی، فتح القدیر، ۴: ۵۰۲
(۳) شوکانی، فتح القدیر، ۴: ۵۶۷

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ سے مراد ہے: یہ کفار اللہ کے سوا جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ (تو شفاعت کا) اختیار نہیں رکھتے۔

۷۔ تفسیر روح المعانی

امام محمود آلوسی بھی اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ دَعَا يَدْعُوْ کا معنی عبادت کرتے ہیں۔

۱۔ سورۃ الانعام، ۶:۵۶

(تَدْعُوْنَ) أی تعبدونهم.(۱)

تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَهُمْ (تم ان بتوں کی عبادت کرتے ہو) ہے۔

۲۔ سورۃ الاعراف، ۷:۱۹۴

(اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) ..... أی ان الذين تعبدونهم (مِنْ دُوْنِ اللهِ).(۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ کا معنی ہے یعنی بے شک جن بتوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔

۳۔ سورۃ الجن، ۷۲:۱۸

(فَلَا تَدْعُوْا) اَیْ فَلَا تعبدوا فيها.(۳)

فَلَا تَدْعُوْا یعنی مسجدوں میں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کیا کرو۔

---

(۱) آلوسی، روح المعانی، ۷:۱۶۸

(۲) آلوسی، روح المعانی، ۹:۱۴۳

(۳) آلوسی، روح المعانی، ۲۹:۱۰۴

۸۔ الفوز الکبیر

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ برصغیر پاک و ہند کے ان علماء ربانیین میں سے ہیں جو غیر متنازع شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ ہر مسلک کے مسلمانوں کے ہاں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ علوم القرآن پر ان کی اتنی گرفت ہے کہ ان کی تصنیف لطیف ''الفوز الکبیر'' سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی کتاب میں انہوں نے قرآنی اصول کا تعین کرتے ہوئے بطور نمونہ چند ایک آیات کے معانی بھی بیان کئے ہیں چنانچہ سورۃ الانعام، ۶: ۵۶ کے تحت وہ لکھتے ہیں:

(تَدْعُوْنَ مِن دُوْنِ اللهِ) تَعْبُدُوْنَ. (۱)

تَدْعُوْنَ مِن دُوْنِ اللهِ کا معنی ہے: جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ یہاں انہوں نے بعض لوگوں کی طرف سے پیدا کردہ اس مغالطے کا رد کر دیا جو آیات کی غلط تفسیر و تاویل کرکے محض کسی کو پکارنے پر شرک کا فتوی لگا دیتے ہیں۔ وہ اپنے استدلال کی بنیاد یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن میں ''تدعون'' آیا ہے تعبدون نہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک بھی قرآن کے ایسے مقامات پر تَدْعُوْنَ/ یَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ اور یَعْبُدُوْن یعنی عبادت و پرستش ہے۔

قرآن حکیم میں وارد شدہ الفاظ کے صحیح اور درست معنی کا تعین وہ شخص کر سکتا ہے جس نے قرآن مجید کا عمیق اور گہرا مطالعہ کیا ہو اور جسے علوم القرآن پر دسترس حاصل ہو۔ پس وہ اکابر ائمہ و مفسرین جو علماء ربانیین میں سے ہیں اور علوم قرآن میں جن کی تحقیق و مہارت میں کسی کو شک و شبہ نہیں انہوں نے جو معانی و مفاہیم متعین کئے اس پر کسی سطحی علم رکھنے والے شخص کی رائے کا کوئی وزن نہیں۔

آیات کی غلط تفسیر و تاویل کے ذریعے ممانعت کا اطلاق استغاثہ اور توسّل جیسے

(۱) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر: ۱۳۰

جائز شرعی امور پر نہیں کیا جا سکتا۔ کفار و مشرکین بزعمِ خویش اللہ جل مجدہ کے خلاف اپنے جھوٹے معبودوں اور بتوں کو پکارتے تھے لہٰذا اگر کوئی عقیدتاً (معاذ اللہ) اللہ کے مقابلے میں کسی کو پکارے تو یہ شرک اور کفر ہے۔

امام سیوطی (سورۂ یونس، ۱۰: ۳۸) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(وَ ادْعُوْا) لِلْإعانة عليه.(۱)

''تم اللہ کے مقابلے میں اپنے جھوٹے معبودوں کو پکارو۔''

جب ہم انبیاء اور اولیاء سے استعانت و استغاثہ کی بات کرتے ہیں تو کبھی بھی انہیں اللہ کے مقابلے میں نہیں لاتے۔ بعض لوگ جن آیات کا حوالہ دے کر شرک کا الزام لگاتے ہیں ان کا سیاق و سباق دیکھنے سے اس بات کا صاف پتا چلتا ہے کہ یہ آیات کفار و مشرکین کیلئے نازل ہوئی ہیں اور ان کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ لہٰذا ان کا اطلاق مسلمانوں پر کرنا صریحاً گناہ ہے۔ اجل مفسّرین کے نزدیک روئے زمین پر بد ترین مخلوق وہ ہیں جو کفار اور مشرکین کے حق میں اتری ہوئی آیات کا مسلمانوں اور مومنین پر اطلاق کرتے ہیں۔

اِستعانت و استغاثہ کی صورت میں نبی یا ولی کے توسُّل سے جو دعا مانگی جاتی ہے وہ شرعاً بالکل جائز ہے منافی توحید نہیں کیونکہ اس میں اللہ جل مجدہٗ کے اس برگزیدہ بندے سے دعا کی درخواست کی جاتی ہے۔ اس موضوع پر آئندہ ابواب توسُّل اور استعانت کے ذیل میں مزید تفصیلات آ رہی ہیں۔

www.MinhajBooks.com

(۱) تفسیر الجلالین

• شرک فی الدُّعاء

توحید فی الدعاء کے باب میں شرک اس وقت ہوتا ہے جب وہ دُعا بمعنی عبادت ہو جیسا کہ کفار و مشرکین کے متعلق قرآن حکیم میں بصراحت ذکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر غیر سے عبادت کی نفی کے لئے قرآن مجید میں لفظ مِنْ دُوْنِ اللهِ استعمال ہوا ہے ۔ مِنْ دُوْنِ اللهِ کے استعمال میں حکمت یہ ہے کہ عبادتِ الٰہی کا مقام اتنا اونچا اور ارفع ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کیلئے ثابت نہیں اس لئے کہ معبودانِ باطلہ ''ادنیٰ، گھٹیا، کم تر اور حقیر'' ہیں۔ مِنْ دُوْنِ اللهِ کے غیر موزوں اور غلط اطلاقات کی طرح بعض لوگ لفظ دعا کا بھی غلط اطلاق کرتے ہیں اور قرآن میں وارد شدہ ''دعا'' کا معنی ہر جگہ ''ندا'' اور ''پکار'' کرتے ہیں کہ غیر اللہ تعالیٰ کو پکارنا شرک ہے حالانکہ مِنْ دُوْنِ اللهِ کی طرح دَعَا یَدْعُو کا دائرۂ اطلاق اور مراد بھی ہر جگہ سیاق وسباق کے پیشِ نظر متعین کرنا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر کوئی بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ کو مستعان و مجیب حقیقی مان کر انبیاء علیہم السلام سے استغاثہ کرے، کسی سے مدد طلب کرے، کسی روحانی شفاخانے سے علاج کروائے یا دم درود اور دعا کیلئے کسی نیک صالح بندے کے پاس جائے تو یہ ہرگز شرک نہیں ہاں اگر وہ شخص یہ عقیدہ رکھے کہ مخلوق بھی اللہ رب العزت کے اذن کے بغیر مستقل، بنفسہ نفع وضرر کی مالک ہے تو یہ عقیدہ یقیناً شرک ہے۔

ایسی تمام آیاتِ مبارکہ کا سیاق و سباق کے حوالے سے جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ مِنْ دُوْنِ اللهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کے دشمن (اصنام، بت اور طواغیت وغیرہ) ہیں جن کو مشرکینِ عرب اپنا حاجت روا اور نجات دہندہ سمجھتے تھے اس لئے غیر اللہ کو حقیقتاً حاجت روا سمجھ کر ان سے دُعا کرنا شرک ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کیلئے مجازاً حاجت روا اور مشکل کشا ہو سکتا ہے، مجازی اور عرفی معنی میں ایسا کہہ دینا شرک نہیں کیونکہ

حقیقی حاجت روا، کارساز تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانا اور سمجھا جاتا ہے مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء و اولیاء وصلحاء کے وسیلے سے دعا کرنا مسنون ہے جس کا حکم خود قرآن نے ان الفاظ میں دیا ہے:

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ. (۱)

''اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو۔''

خلاصۂ بحث

گذشتہ صفحات میں ہم نے توحید فی الدعا کے تحت دَعَا يَدْعُوْ کے درست اطلاقات کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ الفاظ قرآنی کے صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے سیاق وسباق اور محاورۂ قرآن کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری امر ہے۔ یونہی ہر جگہ الفاظِ قرآنی کا غلط اطلاق کر کے کسی کو مشرک و بدعتی قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ یہ بات تو ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک کو سمجھنے کیلئے تصورات کا صحیح ادراک نہایت ضروری ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کے ساتھ تعلیماتِ اسلامی پر عمل پیرا ہوں۔ یہی دین کا تقاضا ہے اور یہی اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کا منشاء بھی اور اسی میں ہم سب کی نجات ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) المائدۃ، ۵:۳۵

فصل چہارم

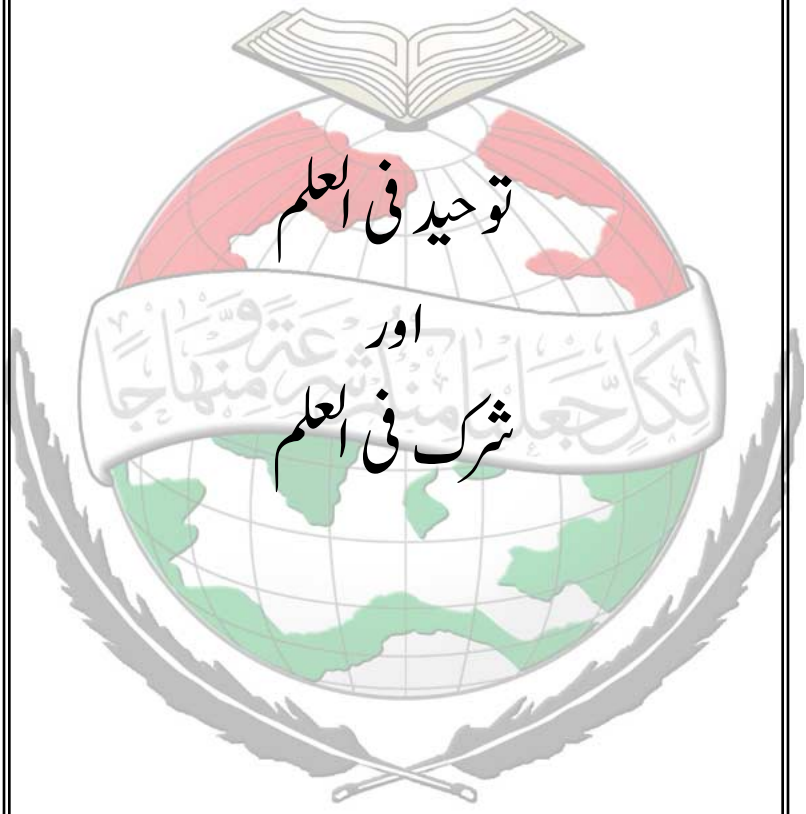

توحید فی العلم

اور

شرک فی العلم

www.MinhajBooks.com

توحید فی العلم

توحید فی العلم سے مراد یہ ہے کہ ذاتی، قدیم اور لامتناہی علم کا مالکِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے باقی ہر کسی کا علم اس کی عطا کا مظہر ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ. (۱)

''اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا۔''

۲۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ○ (۲)

''فرما دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں (از خود) غیب کا علم نہیں رکھتے سوائے اللہ کے (وہ عالم بالذّات ہے) اور نہ ہی وہ یہ خبر رکھتے ہیں کہ وہ (دوبارہ زندہ کر کے) کب اٹھائے جائیں گے○''

ان آیات میں توحید فی العلم کے عقیدے کو متحقق کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب اور عالم بالذات ہے۔ وہ تنہا اور اکیلا ہی اس صفتِ علم سے متصف ہے۔ مخلوق میں

---

(۱) الانعام، ۶:۵۹

(۲) النمل، ۲۷:۶۵

سے کوئی بھی از خود موجود و شہادت اور پوشیدہ و غیب کا علم نہیں جانتا۔ یہی توحید فی العلم ہے۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب اور حضور ﷺ مطلع علی الغیب ہیں

اللہ تعالیٰ عالم الغیب (از خود غیب کا جاننے والا) ہے، وہ تنہا اور اکیلا ہی اس صفت کا مالک ہے۔ مذکورہ آیات سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ جس علمِ غیب کی نفی اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے لئے فرمائی ہے اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی بھی شامل ہے لہٰذا حضور ﷺ کے لئے علمِ غیب ثابت کرنا بھی شرک ہے۔ درست عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی عالم الغیب ہے اور وہی عالم بالذات ہے کسی اور کے لئے علم غیب حقیقی اور بالذات ثابت کرنا واقعتاً شرک ہے۔ مگر ہم انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ مطلع علی الغیب (علمِ غیب سے سرفراز کئے گئے) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے آپ کو "مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ" کا علم عطا فرمایا۔ حضور ﷺ کا یہ علم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں چونکہ بالذات اور حقیقی نہیں بلکہ عطائی اور متناہی ہے اس لئے یہ شرک ہرگز نہیں ہوگا۔

آیت مذکورہ بالا میں اس امر کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کائناتِ انسانی میں کوئی فرد بھی اپنی ذاتی استعداد سے ان اُمورِ غیبیہ پر مطلع نہیں ہوسکتا، ہاں مگر رب عزوجل اپنی مرضی سے جسے چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے۔ ان آیات میں ذاتی علم غیب کی نفی اور عطائی کا ثبوت ہے۔

نبوّت اور علمِ غیب کا تعلق

اللہ تعالیٰ جس پر اپنی عنایت اور شفقت فرماتا ہے اس کو اپنے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے اور جس کو چاہے مطلع نہ کرے، یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے یعنی عطا و اطلاع ثابت و جائز ہے۔ پس علمِ غیب کا انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہونا حق ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو علمِ غیب نہ دیا جائے تو نبوت کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا، کیونکہ نبوت دینے کا معنی ہی غیب پر مطلع کرنا ہے۔ یہ امر لفظِ ''نبی'' کے مادہ اشتقاق سے عیاں ہے۔ نَبِیٌّ، نَبَأٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ''خبر''۔ قرآن مجید میں لفظِ نَبَأٌ بمعنی ''خبر'' کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ وضاحت کے پیشِ نظر دو آیاتِ مبارکہ درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرمایا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ. (۱)

''(اے نبی مکرم!) آپ ان لوگوں کو آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں (ہابیل وقابیل) کی خبر سنائیں جو بالکل سچی ہے۔''

اسی طرح سورۃ صٓ میں ارشاد فرمایا:

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ○ (۲)

''فرما دیجئے: وہ (قیامت) بہت بڑی خبر ہے○''

اسی لفظِ نَبَأٌ سے نَبِیٌّ اس کا فاعل ہے جس کا معنی ہے ''خبر دینے والا''۔ خبر ہمیشہ وہی چیز ہوتی ہے جو سننے والے کے لئے نئی ہو اور اسے قبل ازیں اس سے متعلق علم نہ ہو۔ گویا نبی اس ہستی کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ خصوصی علم دیکر مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اس حقیقت کی خبر دے سکے جس سے متعلق اس کی قوم لاعلم اور بے خبر ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہ دیا جائے تو نبوت کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا کیونکہ نبوت دینے کا معنی ہی غیب پر مطلع کرنا ہے۔

الغرض علمِ غیب انبیاء علیہم السلام اور مقربین کے لئے تسلیم کرنا ضروری ہے مگر علم غیب ثابت کر کے اس کی بنیاد پر انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو عالم الغیب حقیقی کہنا درست نہیں ہے کیونکہ حقیقی عالم الغیب کی شان فقط اللہ رب العزت کی ہے مثلاً

(۱) المائدۃ، ۵:۲۷

(۲) صٓ، ۳۸:۶۷

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں اپنے متعلق ارشاد فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ○(۱)

’’میں آسمانوں اور زمین کی (سب) مخفی حقیقتوں کو جانتا ہوں، اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو○‘‘

۲۔ سورۃ الانعام میں فرمایا:

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ○(۲)

’’(وہی) ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی بڑا حکمت والا خبردار ہے○‘‘

اطلاع علی الغیب کا اثبات

مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ اور انکی تشریح کی روشنی میں اس بات کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ حقیقی عالم الغیب ہے لیکن اس نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ میں یہ علم کسی کو عطا نہیں فرماؤں گا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے انبیاء و رسل کو جو علم دیا ہے کیا وہ غیب کی خبروں پر مشتمل علم نہیں؟ وحی کے ذریعے ملنے والا علم قطعی اور دائمی علم ہے تو یہاں اس نفی کا مفہوم کیا ہوگا، اس سوال کا جواب آیات واحادیث کے علاوہ ائمہ مفسرین کی آراء سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ

(۱) البقرۃ، ۲:۳۳

(۲) الانعام، ۶:۷۳

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا٥[1]

’’(وہ) غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتا٥ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (اُنہی کو مطلع علی الغیب کرتا ہے کیونکہ یہ خاصۂ نبوت اور معجزۂ رسالت ہے)، تو بیشک وہ اس (رسول ﷺ) کے آگے اور پیچھے (علمِ غیب کی حفاظت کے لئے) نگہبان مقرر فرما دیتا ہے٥‘‘

آیت کے چند تفسیری نکات

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی غیب کو جاننے والا ہے اس نے اپنے لئے عالم الغیب فرمایا۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ (پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتا) کہہ کر کاہنوں، نجومیوں، کفار و مشرکین وغیرھم سب کی نفی کر دی جو اپنے ذرائع سے غیب کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیب کا علم جاننے والا صرف میں ہوں اور اپنے غیب کے علم پر کسی کافر مشرک جیسے ناپسندیدہ شخص کو آگاہ نہیں کرتا مگر چونکہ رسول اور نبی میرے پسندیدہ بندے ہوتے ہیں اس لئے انہیں علمِ غیب عطا کرتا ہوں۔

۳۔ تمام رسول، اللہ کے پسندیدہ اور مقبول بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر رسول کو پسند کرتا ہے اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے یہ مراد نہیں کہ (معاذ اللہ) وہ بعض رسولوں کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند کرتا ہے۔ ایسا کہنا بھی کلمہ کفر ہے۔ اس میں بعض کی بعض پر فضیلت کا بیان ہے۔

۴۔ اس آیت میں مِنْ تبعیضیہ نہیں یعنی مراد بعض رسول نہیں بلکہ یہاں مِنْ بیانیہ ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ اور مرتضٰی رسولوں کو علمِ غیب عطا کرتا ہے۔ پتہ چلا کہ رسولوں کو علمِ غیب عطا ہونا عین توحید ہے خلافِ توحید نہیں۔

[1] الجن، ۷۲:۲۶۔۲۷

۵۔ ایک ہی مقام پر ایک آیت میں نفی اور متصلاً دوسری میں اثبات ہے تو دونوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ وہ ان کو علم غیب سے نہیں نوازتا جو اہل نہیں ہیں بلکہ جو اہل ہیں ان کو عطا کرتا ہے۔

۶۔ (فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا) کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ ''وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ اور مطلع نہیں کرتا۔'' کلمہ ''يُظْهِرُ'' کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا ایک معنی یہ بھی ہے ''اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے غیب پر مسلط اور غالب نہیں ہونے دیتا۔'' حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے باب میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○(۱)

''وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول ﷺ) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے○''

اس آیت کریمہ میں لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کا معنی ہے ''تاکہ آپ ﷺ کو ہر دین (والے) پر غالب کردے۔'' عربی قاعدے کی رو سے جب اِظْهَار کے ساتھ عَلٰی بطورِ صلہ آئے تو اس کا معنی ''غلبہ وتسلط'' ہوتا ہے۔

پس اس قاعدہ کی رو سے یہاں بھی اظہار کا عَلٰی کے ساتھ آنے کی وجہ سے مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں ہونے دیتا یعنی اس کے غیب پر کوئی مسلط اور حاوی نہیں ہوسکتا، کسی کو تصرف اور غلبہ پانے کی قدرت نہیں ہے۔ وہ غیب کے علم کا نہ صرف جاننے والا ہے بلکہ غیب کے علم کا مالک بھی ہے۔ وہ ایسا مالک ہے کہ اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ مخلوق میں سے کسی کو یہ طاقت اور قدرت حاصل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے عطا کئے بغیر اس کا علم لے سکے اور نہ کوئی ازخود عالم

(۱) التوبة، ۹: ۳۳

بالذات بن سکتا ہے۔

۲۔ سورۂ آل عمران میں اطلاع علی الغیب کے اثبات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ج وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (۱)

''اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے۔ سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقوی اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے○''

اس آیت میں روئے خطاب کفار، مشرکین، عام انسانوں اور بالخصوص منکرین کی طرف ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہی نہیں ہے کہ وہ تمہیں علم غیب پر مطلع کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ (۲)

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)○''

علم اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ ترین نعمت ہے۔ یہ انسانیت کا امتیاز اور وجہِ شرف و تکریم ہے۔ کوئی چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے وہ اسی قدر مشکل الحصول بھی ہوتی ہے۔ یہی علم تو ہے جس کی بناء پر اللہ رب العزت نے انسان کو فرشتوں پر فوقیت عطا فرمائی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے

(۱) آل عمران، ۳:۱۷۹

(۲) النجم، ۵۳:۳۹

اپنی اس نعمت کو بھی دوسری نعمتوں کی طرح محنت و اہلیت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ یہ تو عام علم کی بات ہے رہا علم لدنی اور علم حقائق الاشیاء یعنی معرفت تو اس کے لئے اہلیت صرف اور صرف اس کے فضل کی مرہونِ منت ہے۔ جہاں تک تعلق ہے غیب کے علم کا تو علم کے باب میں غیب کی ڈگری سب سے اونچی ڈگری ہے جو اس کا اہل ہوگا وہی ڈگری لے گا اس کے برعکس کی مثال ایسے ہے جیسے پرائمری کلاس کے طالبعلم کو ماسٹر کی ڈگری دے دی جائے۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ جو طالبعلم میٹرک پاس بھی نہیں اور وہ کہے کہ مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری دے دو؟ اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو مطلع علی الغیب کے درجہ پر فائز نہیں کرتا۔ وہ عوام میں سے ہر ایک کو اولوالامر نہیں بناتا، یہ اس کی شان نہیں۔ اس کی شان یہ ہے:

يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ.

وہ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے غیب کے لئے منتخب کر لیتا ہے، مجتبیٰ بنا لیتا ہے۔ سورۃ جن میں مرتضیٰ فرمایا اور یہاں مجتبیٰ۔ وہ فرماتا ہے! میں نے تمہیں مجتبیٰ قرار دے دیا اور (تمہیں علم غیب دے دیا) اب تم امت میں سے جسے پسند کرو علم غیب دے دو۔

۳۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ.(۱)

''(اے محبوب) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔''

بعض لوگ کٹ حجتی کی بنا پر یہ نکتہ بھی اٹھاتے ہیں کہ جو علم دے دیا جائے وہ غیب نہیں رہتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محبوب! یہ جو ہم آپ پر وحی فرما رہے ہیں اور بذریعہ وحی جو علم ہم آپ کو دے رہے ہیں ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ (یہ غیب کی خبریں ہیں) تو اس کے بعد اسے غیب ماننے میں کیا امر مانع ہوسکتا ہے؟ یہ بات ایک نئی بحث اور شوشہ چھوڑنے کے مترادف ہے کہ ''جو علم دے دیا جائے وہ علم غیب نہیں رہتا۔''

(۱) آل عمران، ۳: ۴۴

کیا ایسے لوگ خدا سے بھی بڑے معلم ہیں؟ وہ تو خود فرما رہا ہے کہ جو علم ہم نے اپنے محبوب ﷺ کو دیا غیب ہے لہٰذا علم غیب کی اصطلاح سے انکار کا راستہ فتنہ گری اور دین میں رخنہ اندازی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے علم الغیب سے انکار جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ یہ جو ہم اپنے پیغمبر کی طرف وحی فرما رہے ہیں، غیب کی خبریں ہیں۔ گویا نبیوں کو وحی کی صورت میں جو علم ملتا ہے وہ غیب ہی تو ہوتا ہے۔

۴۔ اسی مضمون کو سورۂ ہود میں یوں بیان فرمایا:

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ. (۱)

''یہ (بیان ان) غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔''

قرآن میں علمِ غیب پر مشتمل ایک ہی مضمون دو جگہ دو صیغوں کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ دونوں آیات میں پُرلطف بات یہ ہے کہ روئے سخن اور صیغۂ خطاب رسولِ محتشم حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے کہ اے محبوب! ان خبروں کا نزول آپ پر غیب سے ہو رہا ہے اور آپ کو علم بالوحی کے ذریعے ان سے مطلع کیا جا رہا ہے۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کو عطا کر رہے ہیں۔ یہ گویا اس امر کا اعلان ہے کہ علمِ رسول عطائی ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے مطلع علی الغیب ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ غیب بتانے میں بخل نہیں فرماتے

مندرجہ بالا سطور میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے علمی خزانوں اور چشموں کے قاسم و مختار ہیں، اللہ تعالیٰ سے لے رہے ہیں اور مخلوق میں تقسیم کر رہے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عطاؤں میں کمی نہیں اسی طرح حضور ﷺ کی نوازشات میں انقطاع نہیں۔ اسی لئے ارشاد باری ہوا:

(۱) هود، ۱۱:۴۹

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ○[1]

''اور وہ (یعنی نبی اکرم ﷺ) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیں (مالکِ عرش نے ان کے لئے کوئی کمی نہیں چھوڑی)○''

حضور نبی اکرم ﷺ کو غیب پر اتنا مطلع کیا گیا ہے کہ وہ غیب بتانے میں بخل بھی نہیں کرتے یعنی رسول ﷺ نہ صرف خود غیب جانتے ہیں بلکہ اسے بانٹتے بھی ہیں۔ اس نکتے کو یوں سمجھا جائے کہ جس کے پاس پیسہ ہی نہ ہو، جو خود غریب و مفلس اور کنگال ہو اور کھانے کو بھی نہ ملے وہ کسی کو دے یا نہ دے کوئی اس کے بارے میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ بخیل ہے یا نہیں۔ بخیل تو اسے کہتے ہیں جس کے پاس دولت ہو اور وہ چھپا کر رکھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ میرا رسول غیب پر بخیل نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ رسول ﷺ کے پاس غیب کے خزانے ہیں جنہیں وہ بانٹتے بھی ہیں۔ صرف اپنے لئے چھپا کے نہیں رکھتے بلکہ جو حقدار ہوتا ہے اسے بتا بھی دیتے ہیں۔ قرآن کی آیتوں میں تضاد نہیں ہوسکتا دونوں کلام حق ہیں۔ پس دونوں میں جب تطبیق کریں گے تو فرق سامنے آجائے گا۔

تطبیق بین الآیات

جب خدا کے غیب جاننے کی بات ہوگی تو بالذات جاننے کی بات ہوگی اور معنی یہ ہوگا کہ بتائے بغیر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ جب کسی بندے کی نسبت غیب بتانے کی بات ہوگی اور اس میں بخل نہ برتنے کی بات ہوگی تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غیب بتا دیا ہے اور اس کے بتانے سے جانتا ہے اور عطا ہونے سے بانٹتا ہے۔ طالبانِ حق کو دینے میں بخیل نہیں چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک اور آج سے تا قیامت عرفاء و اولیاء اور علماء کے پاس علوم کے جتنے بھی خزانے جمع رہے یا ہوں گے سب کے سب اسی خزانہ علمِ نبوی کا فیضان ہے۔

(۱) التکویر، ۸۱:۲۴

نبی کا بنیادی فریضہ ہی ایمان بالغیب کی دعوت ہے

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ تمام خزائن غیبی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں سے وہ اپنے محبوب ﷺ کو جتنا چاہے عطا کرتا ہے۔ آپ ﷺ ان امورِ غیبیہ کو کمالِ امانت و دیانت سے آگے پہنچانے میں کوئی بخل نہیں کرتے بلکہ علم الغیب کا سرمایہ اپنی امت میں بانٹ دیتے ہیں۔ امت اس سے مستفید ہوتی رہتی ہے کیونکہ نبی و رسول کا بنیادی فریضہ بھی ایمان بالغیب کی دعوت ہے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا علم الغیب اپنے رسولِ مقبول ﷺ کو عطا فرماتا ہے جو وہ آگے امت کے منتخب افراد کو منتقل کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عالم بھی ہے اور معلم بھی

یہاں اللہ کی دو شانیں اجاگر کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ عالم ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اس کے ساتھ معلم بھی ہے گویا اللہ سب سے بڑا عالم بھی ہے اور معلم بھی، سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہوا:

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ (۱)

''(وہ) رحمٰن ہی ہے ○ جس نے (خود رسولِ عربی ﷺ کو) قرآن سکھایا ○''

اللہ تعالیٰ نے اپنا علم انسان کو عطا کر دیا اور وہ انسانِ کامل حضور ﷺ ہیں جو تلمیذ الرحمٰن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی زیرِ نگرانی تعلیم و تعلّم سے آپ ﷺ درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔ علم الغیب کے باب میں جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کا تقابل دوسرے انبیاء سے کرتے ہیں تو ہم بحیثیت معلّم آپ ﷺ کے مقامِ فضیلت کو بیان کرتے ہیں اور اس تناظر میں آپ ﷺ کے اس پیغمبرانہ کردار پر بات ہوتی ہے جو علم کو آگے منتقل کرنے سے متعلق ہے۔ ایک اچھا معلم وہ ہے جو اپنے علم کو صرف اپنے تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ اسے ایک

(۱) الرحمن، ۵۵: ۱-۲

ورثہ کے طور پر ان لوگوں کو منتقل کرتا رہے جو متلاشیانِ علم ہوں۔ علم میں آپ ﷺ جیسا کمال رکھنے والا شاگرد اور کون ہوسکتا تھا جس کا معلم خود رب کائنات ہو۔ اس سے پہلے جب تک علمِ الٰہی حضور نبی اکرم ﷺ کو منتقل نہیں ہوا تھا آپ ﷺ کچھ نہیں جانتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنا علمی خزانہ اپنے پیغمبر ﷺ کو منتقل کردیا تو پھر وہ علم کے بحرِ ناپیدا کنار کے مالک بن گئے۔ آپ ﷺ کے مقامِ علم اور وسعتِ علم کا اندازہ کوئی فردِ بشر نہیں کرسکتا۔ کوئی بدبخت ہی ہوگا جو یہ کہے کہ آپ ﷺ کچھ نہیں جانتے یا آپ ﷺ کا علم فلاں حد تک فلاں وقت تک محدود ہے۔ ہاں عطائے الٰہی سے قبل ایسا کہنا ممکن تھا لیکن جب آپ ﷺ تلمیذ الرحمٰن بن گئے تو پھر کوئی علم ان کی رسائی اور دسترس سے باہر نہ رہا اور ایسی کوئی بات نہ رہی جو وہ نہ جانتے ہوں۔ گویا ذاتِ محمد ﷺ کائنات میں سب سے بلند درجہ مقامِ علم پر فائز ہوگئی اور آپ ﷺ تمام انسانیت کے معلّم بن گئے۔ معلّم بھی ایسے کہ ان کے پائے کا پوری کائنات میں ازل سے ابد تک نہ کوئی تھا اور نہ کبھی ہوگا۔

• شرک فی العلم

توحید فی العلم کے برعکس شرک فی العلم یہ ہے کہ جس ذاتی، قدیم اور لامتناہی علم کا ثبوت خالصۃً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے ہے غیر کے لئے بھی ویسے ہی علم کے اثبات کا عقیدہ رکھا جائے۔

مخلوق کے لئے ان کے حسبِ حال اور مقام، اللہ رب العزت کی عطا سمجھ کر علم کا ثابت کیا جانا شرک نہیں۔ کیونکہ علم کا سرچشمہ رب العالمین ہے اور وہی اپنی مخلوق کو حسبِ استطاعت وظرف عطا کرتا ہے۔ اسی نے مخلوق میں سے انبیاء علیہم السلام، اولیائے کرام، علماء اور عوام الناس کو درجہ بہ درجہ ان کے حسبِ حال عطا کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ○ (۱)

''اور ہر صاحبِ علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے○''

اللہ رب العزت خود بھی علیم ہے اور اس نے انسان کو بھی علیم بنایا ہے تاہم ہر انسان کو علم اس کے حسبِ حال عطا ہوتا ہے۔

آیت الکرسی کی روشنی میں ایک اشکال کا ازالہ

توحید فی العلم اور شرک فی العلم کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں اور مغالطے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے علمِ غیب کو ثابت کرنا شرک ہے چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے باب میں وہ زیادہ بحث علم الغیب کے حوالے سے کرتے ہیں۔ اس مغالطے کو دور کرنے کے لئے آیت الکرسی کا مطالعہ بہت اہم ہے، جس سے اللہ رب العزت کی شانِ علم کا مکمل ادراک ہو جاتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ. (۲)

''جو کچھ مخلوقات کے سامنے (ہو رہا ہے یا ہو چکا) ہے اور جو کچھ ان کے بعد (ہونے والا) ہے (وہ) سب جانتا ہے، اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے○''

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا علم بحرِ بے کراں ہے جس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ علم یا تو کُلیات پر محیط ہے یا جزئیات پر۔ اب کوئی یہ دعویٰ تو کر سکتا ہے کہ اس کے پاس جو علم ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم کا ایک جزو ہے، اگر اللہ رب العزت کا علم سمندر ہے تو اس کا

(۱) یوسف، ۱۲:۷۶

(۲) البقرۃ، ۲:۲۵۵

علم محض ایک قطرہ ہے یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علم کے فیض سے اپنے دامن میں خیرات تو لے سکتا ہے لیکن اللہ رب العزت کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا علم جو ساری کائنات اور مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ یعنی ابتدائے کائنات سے انتہائے کائنات تک، تحت الثریٰ سے فوق العرش تک ہر شے پر حاوی ہے لیکن آپ ﷺ بھی وَلَا یُحِیطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ کے تحت اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے کیونکہ حضور ﷺ کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں محض ایک جزو ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ وَلَا یُحِیطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احاطۂ علم کی نفی فرمائی ہے کہ کوئی متنفس میرے علم میں سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتا، بات مطلق علم کی نہیں کہ جو میں جانتا ہوں اسے کوئی اور نہیں جان سکتا۔ اس مقام پر اِلَّا بِمَا شَآءَ میں اِلَّا کلمۂ عام ہے یعنی اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس قدر علم کے جو اللہ چاہے اور جس کے لئے چاہے۔ اللہ رب العزت پر کوئی پابندی تو نہیں کہ کتنا چاہتا ہے اور کتنا نہیں چاہتا۔ وہ مالک ہے جسے جتنا چاہے عطا فرمائے۔ وہ کسی سے پوچھ کر عطا کرنے کا پابند تو نہیں۔ لہٰذا اب اس بحث میں پڑنا کہ اس سے مراد کتنا علم ہے اور کتنا نہیں؟ رسول ﷺ کے پاس کتنا علم ہے اور دیگر انبیاء کے پاس کتنا؟ یہ ایک بلاجواز بحث ہے جو بارگاہِ اُلوہیت و رسالت میں گستاخی و بے ادبی کے مترادف ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے یہاں خود اپنے علم کے باب میں استثناء پیدا کر دیا کہ مخلوق میں سے کوئی اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا سوائے اس قدر علم کے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے، جس قدر چاہتا ہے، اپنی بارگاہ سے علم عطا کرنے کے لئے اسے مستثنیٰ کر دیتا ہے اگر عقلِ سلیم سے کام لیا جائے تو بحث کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود علم کے باب میں استثنائی شق رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم خالق ہونے کی شان کے مطابق ہے۔ مخلوق کا کل (Total) علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایک جزو ہے کیونکہ اللہ رب العزت کا علم غیر محدود اور

غیر متناہی ہے۔ اس لئے شرک فی العلم کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ شرک کا ارتکاب تب ممکن ہے اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں شخص کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے خواہ یہ برابری کا دعویٰ ایک چھوٹے سے جزو میں ہی کیوں نہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر کسی کا علم ہونے کا کوئی بھی عقیدہ ہی نہیں رکھتا تو پھر شرک کا سوال ہی نہ رہا لہٰذا آیتِ مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے ساتھ کسی اور کے علم کی برابری کے امکان کو بھی ختم کر دیا گیا۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ فرما کر اپنے علم کی دو خاصیتیں اور خوبیاں بیان فرمائی ہیں جو علم الشہادت اور علم الغیب پر مبنی ہیں۔ پھر اگلے حصے میں دو کلیے بیان فرمائے:

۱۔ کلیہ عدمِ احاطہ: (وَلَا یُحِیْطُوْنَ کے ذریعہ)

۲۔ کلیہ استثناء: (اِلَّا بِمَا شَآءَ کے ذریعہ)

۱۔ علم الشہادت

جو مخلوق کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے علم الشہادۃ (knoweldge of seen) ہے، اللہ رب العزت اسے جانتا ہے۔ قرآن نے فرمایا:

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ.

''جو کچھ مخلوقات کے سامنے (ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے وہ) سب جانتا ہے۔''

۲۔ علم الغیب

اس سے مراد وہ پوشیدہ علم جو مخلوق کی آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے جو پسِ پشت ہو رہا ہے اسے بھی اللہ رب العزت ہی جانتا ہے۔ فرمایا:

وَمَا خَلْفَھُمْ.

’’اور جو کچھ ان کے بعد ہونے والا ہے (وہ بھی جانتا ہے)۔‘‘

پس اللہ تعالیٰ کے علم کی یہ خوبی ہے کہ اس کا علم، علم الشہادت پر بھی محیط ہے اور علم الغیب پر بھی۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی یہ دونوں شانیں یکساں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ علم الٰہی کے باب میں جب کسی کے لئے **لَا یَعْلَمُ** کی بات آتی ہے تو اس سے دونوں شانیں مراد ہوتی ہیں کہ کوئی بھی شخص ذاتی طور پر نہ علم الشھادۃ حاصل کرسکتا ہے اور نہ بغیر عطائے الٰہی علم الغیب سے آگاہی حاصل کرسکتا ہے۔ یعنی **لَا یَعْلَمُ** سے مراد **لَا یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ** اور **لَا یَعْلَمُ مَا خَلْفَھُمْ** دونوں ہیں۔ اگر کلیۂ عدمِ احاطہ کا اطلاق بغیر استثناء ہر علم پر کیا جائے تو پھر ہر جاننے والا خواہ وہ علم الشھادۃ جانتا ہو یا علم الغیب مشرک قرار پائے گا اور کائنات میں ہر طرف شرک ہی شرک کارفرما ہو جائے گا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ عطاءِ الٰہی اور اذنِ الٰہی کے ساتھ کلیۂ استثناء کا اطلاق عین منشاءِ قرآن ہے۔

علم الغیب کی طرح علم الشھادۃ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے

بعض لوگ کم فہمی کی بناء پر علم الغیب پر شرک کا فتویٰ عائد کر دیتے ہیں جبکہ علم الشہادت پر شرک کا حکم نہیں لگاتے۔ یہ ایک بڑا اعتقادی التباس اور ناقابلِ معافی علمی خیانت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے علم کے بارے میں یہ فرمان تو نہیں کہ جو پردۂ غیب میں ہوتا ہے میں صرف وہ جانتا ہوں۔ اس کا فرمان تو یہ ہے کہ جو سامنے ہوتا ہے وہ بھی میں جانتا ہوں اور جو آنکھوں سے پوشیدہ ہوتا ہے وہ بھی۔ اللہ رب العزت نے تو اپنے علم کی دونوں قسمیں برابر بیان کی ہیں۔ آیت الکرسی کے علاوہ قرآن مجید کے اور مقامات سے اس پر چند آیات مبارکہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ سورۃ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق علم الشھادۃ اور علم الغیب کے بارے میں فرمایا:

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًاo[1]

(۱) طٰہٰ، ۲۰: ۱۱۰

’’وہ ان (سب چیزوں) کو جانتا ہے جو ان کے آگے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ (اپنے) علم سے اس (کے علم) کا احاطہ نہیں کر سکتے۔‘‘

۲۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○ (۱)

’’وہ (اللہ) ان چیزوں کو جانتا ہے جو ان کے سامنے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ (اس کے حضور) سفارش بھی نہیں کرتے مگر اس کے لئے (کرتے ہیں) جس سے وہ خوش ہوگیا ہو اور وہ اس کی ہیبت و جلال سے خائف رہتے ہیں○‘‘

۲۔ سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ (۲)

’’وہ ان (چیزوں) کو (خوب) جانتا ہے جو ان کے آگے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں، اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں○‘‘

بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علم کو دو ٹکڑوں میں بانٹ کر صرف ایک ٹکڑے ’’علم الغیب‘‘ کے ساتھ شرک مختص کر دیا گویا ان کی نظر میں غیب کا علم کسی اور کو ہو تو شرک ہے۔ کوئی پوچھے علم الشہادت کو انہوں نے کیوں مستثنیٰ کیا؟ اس پر شرک کا فتویٰ کیوں نہیں لگاتے؟ ان مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی دو خوبیاں اور خاصیتیں بیان فرمائیں۔ پہلے علم الشہادت کا اثبات کیا پھر علم الغیب کا لہٰذا ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ پہلے علم الشہادت کو شرک کا ہدف بنائیں کیونکہ روزانہ ہماری آنکھوں کے سامنے لاکھوں ایسے

(۱) الانبیاء، ۲۱:۲۸

(۲) الحج، ۲۲:۷۶

واقعات ہمارے اردگرد پوری دنیا میں ہو رہے ہیں جن تک ہمارے علم کی رسائی ہے۔

اگر صرف علم کی رسائی پر ہی شرک کا اطلاق کیا جائے تو پھر نہ کوئی حال کا علم جانے، نہ ماضی کا اور نہ ہی مستقبل کا، نہ کسی کو آنکھوں کے سامنے کی خبر ہو اور نہ آنکھوں کے پیچھے کی خبر ہو تب جا کر اللہ کا علم شرک سے محفوظ ہو سکے گا لہٰذا ہمارے نزدیک یہ ساری تشریح ہی جاہلانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح اور قطعی طور پر فرما دیا ”**يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ**“ یعنی علم الٰہی کے لئے کوئی استثنائی شق نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو قادر ہے جو سامنے ہو رہا ہے وہ بھی جانتا ہے اور جو پیچھے ہو رہا ہے اسے بھی جانتا ہے۔ جبکہ مخلوق کو عطاء کرنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی دو خصوصیات بیان فرمائیں اور دو کلیے واضح کئے **وَلَا يُحِيطُونَ** کے ذریعے کلیۂ عدم احاطہ اور **إِلَّا بِمَا شَآءَ** کے ذریعے کلیۂ استثناء متعین فرمایا اور مخلوق کے لئے علم بالعطا کے اثبات کو اپنی مشیت قرار دیا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس مقام پر علم میں استثناء کی یہ شق علم شہادت کے لئے ہے۔ تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ علم شہادت کے حصول میں کسی پر کوئی قدغن نہیں؟ یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ کوئی شخص جتنا چاہے علمِ شہادت حاصل کر کے مخلوق میں سب سے بڑا عالم بن جائے تو اس سے کوئی شرک واقع نہ ہوا اور اگر کسی نے علمِ غیب کے بارے میں کوئی بات کہہ دی تو وہ شرک کا مرتکب ہو جائے؟ صحیح عقیدہ کے مطابق یہ بات درست نہیں۔ اس کا ادراک وہ شخص کر سکتا ہے جس نے قرآن کا عمیق اور گہرا مطالعہ کیا ہو۔ سو یہاں استثناء علمِ شہادت کے بارے میں ہرگز نہیں کیونکہ مشاہداتی علم حواسِ خمسہ کے ذرائع سے حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود عطا کئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے:

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ○(۱)

”پس ہم نے اسے (یعنی انسان کو ترتیب سے) سننے والا (پھر) دیکھنے والا بنایا ہے○“

(۱) الدھر، ۷۶:۲

جب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ان ذرائع علم کی بدولت عالم حاضر و شہادۃ کا علم انسان کو مل گیا تو کلیہ استثناء کا اطلاق علم شہادت پر نہیں بلکہ علم غیب پر ہوگا۔ گویا کہ اللہ رب العزت نے یہاں علم الغیب کے بارے میں استثناء کی شق رکھی ہے کہ میرے اذن اور عطاء کے بغیر کوئی علم غیب نہیں جان سکتا۔ جب اس نے خود استثناء پیدا کر کے بعض کو علم غیب عطاء کر دیا تو اب شرک تب ہوگا اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ مجھے ذاتی طور پر بغیر عطائے الٰہی کے علم حاصل ہے اور مجھے یہ علم اللہ تعالیٰ یا کسی اور نے عطا نہیں کیا۔ یعنی بغیر اذنِ الٰہی کے ہر چیز جاننے کا دعویٰ شرک ہے۔ یہ صرف غیب کے بارے میں ہی نہیں بلکہ علمِ شہادت میں بھی ذاتی علم کا دعویٰ کرنے والا شرک کا مرتکب ہوگا کیونکہ ذرائع علم اور حواسِ خمسہ کا عطا فرمانے والا بھی اللہ رب العزت ہی ہے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی برگزیدہ بندہ اذن و عطائے الٰہی سے اپنے لئے علم غیب کا اثبات کرے تو یہ شرک نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علمِ غیب جاننے کا دعویٰ کیا جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ارشادِ ربانی ہے:

وَ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ لا فِیْ بُیُوْتِکُمْ. (1)

”اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں (وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق شرک دونوں قسم کے علم میں تب واقع ہوگا جب کسی اور کے لئے مطلقاً علم ثابت کیا جائے ورنہ نہیں لہٰذا اب سارا مغالطہ دور ہو جانا چاہئے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ رب العزت کا علمِ غیب ذاتی اور قدیم ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ اور باقی انبیاء کرام کا علمِ غیب عطائی اور حادث ہے۔

علم بالذات اور علم بالعطا میں فرق

اس ضمن میں التباسات سے بچنے کے لئے چند نکات ذہن نشین کر لینے چاہئیں:

(۱) آل عمران، ۳:۴۹

۱- اللہ رب العزت ہی حقیقی عالمِ الغیب ہے کہ وہ جو علمِ غیب رکھتا ہے وہ حقیقتاً محیط بالکل ہے۔

۲- اس کا علم ذاتی ہے عطائی نہیں ہے۔

۳- اس کا علم بالقدرت ہے یعنی ایسا علم ہے جس کے ساتھ اس کو نفع ونقصان کے بدلنے پر قدرت حاصل ہے۔

پس ان تین صفات کے ساتھ متصف علم کو اللہ رب العزت کے لئے ثابت کرنا توحید ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم محض علم نہیں ہے بلکہ وہ علم ہے جو خالق کی شان کے لائق ہے۔ جس علم میں قدرت وتصرف، خالقیت اور احاطہ شامل ہے۔ یہی شان قدرت تصرف اور احاطہ کلی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے تو شرک ہے۔

پورے قرآن کا مطالعہ کر لیں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم قدرت اور تصرف کی بات فرمائی کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں علم غیب جانتا ہوں اور کسی کو عطا نہیں کرتا۔ اگر ایک آیت بھی ایسی مل جائے جس میں اللہ رب العزت نے یہ فرمایا ہو کہ میں کسی کو علم غیب پر مطلع نہیں کرتا تو ہم اپنے مؤقف سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہیں۔ پس صحیح عقیدہ یہی ہے کہ علم غیب کا بالذات مالک اللہ رب العزت ہے مگر وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے اذن سے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ عطا نہ کرنا بھی اس کی توحید میں شامل ہے تو پھر عطائی علم غیب کا اثبات بھی شرک ہوگا مگر اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں ایسا کہیں نہیں فرمایا بلکہ اس نے انبیاء کرام کو علمِ غیب عطا فرمایا ہے جیسا کہ درج بالا آیاتِ مبارکہ میں ہم ثابت کر آئے ہیں۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ میں علمِ عطائی کا اثبات ہے

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے علم غیب کی مَفَاتِح (کنجیوں) کا ذکر کرتے ہوئے

فرمایا ہے کہ ان کا علم بھی کسی کے پاس نہیں۔ دراصل اس آیت کا غلط ترجمہ اور مفہوم اخذ کرنے کی وجہ سے استدلال بھی غلط کیا جاتا ہے۔

آیتِ مبارکہ مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (۱)

''اور غیب کی کُنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (ازخود) کوئی نہیں جانتا، اور وہ ہر اس چیز کو (بلاواسطہ) جانتا ہے جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر (یہ کہ) وہ اسے جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی (ایسا) دانہ ہے اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں (سب کچھ لکھ دیا گیا ہے) ○''

اس آیت کے کلمات ''وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ'' (اور غیب کی کُنجیاں اسی کے پاس ہیں انہیں اس کے سوا (ازخود) کوئی نہیں جانتا) قابلِ غور ہیں۔ اگر اس سے مراد یہ ہو کہ اس نے غیب کسی کو دینا ہی نہیں تو پھر غیب کے علم کی کنجیاں بنانے کا مقصد کیا ہے؟ اور پھر ایسا تالہ لگانے کا کیا جواز جس کی کنجی ہی کسی کو نہیں دینی؟ اس سے یہ پتہ چلا کہ جب اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے پاس علمِ غیب کی کنجیاں ہیں تو دراصل وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں جس کے لئے چاہتا ہوں اسے کنجی سے کھول کر علمِ غیب دے دیتا ہوں۔ پس کنجی کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر علمِ غیب کسی پر نہ کھولی جانے والی چیز ہوتی تو اس کے لئے کنجیوں کا لفظ استعمال ہی نہ کیا جاتا۔ اللہ رب العزت نے یہ فرما کر اشارہ کر دیا کہ میری مرضی پر منحصر ہے جس کے لئے چاہوں غیبی علم کا خزانہ کھول دوں اور

(۱) الانعام، ۶:۵۹

جس کے لئے چاہوں بند کر دوں۔ ثابت ہوا کہ جن کو علم غیب نہیں دینا ان کے لئے قفل ہے اور جن کو عطا کر دیا گیا ہے ان کے لئے کنجیاں ہیں۔

لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی ہے جسے چاہے خزانۂ علم سے دامن بھر دے اور جسے چاہے محروم رکھے۔ جس کو جتنا چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اسے کسی کے فتویٰ کی کوئی پروا نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے علم غیب کا خزانہ اپنے پاس رکھا ہے اور چابیاں اپنوں کے لئے رکھی ہوئی ہیں کہ جن کو عطا کرنا چاہے انہیں چابیوں کے ذریعے عطا کر دیتا ہے۔

مَفَاتِحُ الْغَیْب کا معنی ائمۂ تفسیر کی نظر میں

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں علم الغیب کی نفی نہیں بلکہ اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب کا خزانہ اپنوں کو عطا کرنے کے لئے رکھا ہے۔ ائمہ تفسیر کے مطابق مفاتح وہ راستے اور ذرائع ہیں جن کا مالک بالذات اللہ تعالیٰ ہے جن کے ذریعہ اس کے خزانۂ علم تک پہنچا جاسکتا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ آیتِ مذکورہ کے تحت ائمۂ تفسیر کی آراء درج ذیل ہیں:

۱۔ امام خازنؒ مفاتح الغیب کے بارے میں کہتے ہیں:

یکون المراد منه المفاتیح التي یفتح بها.

''عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس وہ چابیاں ہیں جن سے وہ کھولتا ہے۔''

یہاں یفتح بھا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کے لئے غیب کھولنا چاہتا ہے ان چابیوں کے ذریعہ کھول دیتا ہے۔

امام خازنؒ مزید فرماتے ہیں:

و جعل للغیب مفاتیح علی طریق الإستعارة لأن المفاتیح هی

التی یتوصل بها إلی ما فی الخزائن المستوثق منها بالإغلاق. فمن علم کیف یفتح بها و یتوصل إلی ما فیها فهو عالم. (۱)

''غیب کی چابیوں کا یہ بیان بہ طریق استعارہ ہے کیونکہ چابیاں وہ آلہ ہیں جن کے ذریعے مقفل خزانے تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جسے یہ بات معلوم ہو جائے کہ کس طرح خزانہ کھولا جاتا ہے اور اس تک کیسے رسائی ہوتی ہے تو وہ شخص عالم ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا اشارہ اس طرف ہے کہ اس کے پاس غیب کا سربستہ خزانہ ہے جس کا قفل وہ جس کے لئے چاہتا ہے کھولتا ہے اور عطا کرتا ہے۔

۲۔ امام قرطبیؒ کے نزدیک ان چابیوں سے مراد خزانۂ غیب ہے، وہ لکھتے ہیں:

فالله تعالی عنده الغیب، و بیده الطرق الموصلة إلیه، لا یملکها إلا هو فمن شاء إطلاعه علیها إطلعه، وَمن شاء حجبه عنها حجبه. (۲)

''اللہ تعالیٰ کے پاس علم الغیب ہے اور اسی کے ہاتھ میں وہ راستے اور ذریعے بھی ہیں (جن کو چابیاں کہا گیا ہے) جن کے ذریعے سے اس خزانۂ غیب تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے پس وہ جسے اس پر اطلاع کرنا چاہے تو اسے اس پر مطلع کر دیتا ہے اور جسے محروم رکھنا چاہے محروم رکھتا ہے۔''

وہ ذرائع جو اس خزانۂ غیب تک پہنچتے ہیں ان ذرائع (چابیوں) کا مالک جس پر چاہے اس خزانہ علمی کو کھول دیتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ان ذرائع تک پہنچنے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں تو جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس تک پہنچا دیتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اس نے علم غیب کا خزانہ اپنے پاس رکھا ہوا ہے اور جن کو وہ علم غیب دینا چاہتا ہے ان

---

(۱) تفسیر خازن، ۲:۲۱

(۲) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۷:۲

کے لئے چابیاں رکھی ہوئی ہیں۔

علامہ زمخشری نے تفسیر الکشاف، امام نسفی نے تفسیر مدارک التنزیل اور امام شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں یہی معنی بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمثیلاً چابیوں کا ذکر ہی اس لئے کیا تاکہ لوگوں کو پتا چلے کہ ان تک پہنچنے کا راستہ ہے اور اسے کن لوگوں پر کھولا جائے گا اور کن پر نہیں کھولا جائے گا۔ اول الذکر لوگ جن پر یہ خزانۂ غیب کھولا جائے گا وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقبول اور پسندیدہ بندے انبیاء و رسل عظام ہیں۔

انبیاء اور اولیاء کو علمِ غیب عطا کیے جانے پر ائمہ کی تصریحات

تمام غیبی علوم کے خزانے کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں لیکن وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ سورۂ لقمان کی درج ذیل آیت کے تحت مفسرینِ کرام نے اس کی صراحت کردی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ج وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ج وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ط وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ط إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝(۱)

’’بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور وہی بارش اتارتا ہے، اور جو کچھ رحموں میں ہے وہ جانتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا (عمل) کمائے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے، خبر رکھنے والا ہے (یعنی علیم بالذّات ہے اور خبیر للغیر ہے، ازخود ہر شے کا علم رکھتا ہے اور جسے پسند فرمائے باخبر بھی کر دیتا ہے)۝‘‘

مفسرین کی درج ذیل عبارات سے علم عطائی کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) لقمٰن، ۳۱:۳۴

۱۔ ملا جیونؒ اس آیت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

ولک أن تقول أن علم هذه الخمسة و ان كان لا يملكه إلا الله لكن يجوز أن يعلمها من يشاء من مُحبّه و أوليائه بقرينة قوله تعالى إن الله عليم خبير، على أن يكون الخبير بمعنى المخبر. (۱)

''اور آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان پانچ امور کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں مگر یہ جائز ہے کہ وہ اپنے محبوب بندوں اور دوستوں میں سے جسے چاہے ان امور کا علم عطا فرما دے۔ فرمانِ الٰہی کے اس قرینہ کے باعث کہ ''بیشک اللہ بہت جاننے والا ہے تو خبیر یہاں بمعنی مخبر (یعنی خبر دینے والا) ہے۔''

۲۔ علامہ صاویؒ آیتِ مذکورہ کے تحت فرماتے ہیں:

(قوله: وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا) أى من حيث ذاتها و أما باعلام الله للعبد فلا مانع منه كالأنبياء و بعض الأولياء ..... فلا مانع من كون الله يطلع بعض عباده الصالحين على بعض هذه المغيبات فتكون معجزة للنبى و كرامة للولى، ولذالک قال العلماء الحق أنه لم يخرج نبينا من الدنيا حتى أطلعه الله على تلک الخمس. (۲)

''(اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا (عمل) کمائے گا) اس کا مطلب ہے کہ ذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا البتہ اگر اللہ تعالیٰ بندے کو علم عطا فرمائے تو اس کیلئے کچھ مانع نہیں جیسے انبیاء کو اور بعض اولیاء کو۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے بعض صالح بندوں کو ان مغیباتِ (خمسہ) میں سے بعض پر اطلاع دینے سے کوئی شے مانع نہیں یہ اطلاع نبی کیلئے بطور معجزہ اور ولی کیلئے بطور کرامت ہوتی ہے۔ پس اسی وجہ سے علماء نے کہا حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

(۱) تفسیرات احمدیہ: ۶۰۷۔۶۰۸

(۲) صاوی، حاشیہ الصاوی علی الجلالین، ۳:۲۶۰

نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کو دنیا سے وصال فرمانے سے قبل ان پانچوں مغیبات سے مطلع فرما دیا تھا۔‘‘

۳۔ علامہ اسماعیل حقیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وما روی عن الأنبياء والأولياء من الأخبار عن الغيوب فبتعليم الله تعالى إما بطريق الوحی أو بطريق الإلهام والكشف..... وكذا أخبر بعض الأولياء عن نزول المطر و أخبر عما فی الرحم من ذكر و أنثى فوقع كما أخبر. (۱)

’’جو غیب کی خبریں انبیاء اور اولیاء سے مروی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے یا وحی کے ذریعہ یا بطریقِ الہام و کشف (مروی ہیں)..... اور اسی طرح بعض اولیاء نے بارش کے اترنے کی خبر دی اور بعض نے رحمِ مادر میں لڑکا یا لڑکی کی خبر دی تو ایسے ہی ہوا جیسے انہوں نے خبر دی تھی۔‘‘

علم اور درایت میں فرق

سورۂ لقمان کی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظِ ’’علم‘‘ اور بندے کے لئے لفظِ ’’درایت‘‘ آیا ہے۔ درایت اور علم اگرچہ دونوں الفاظ ’’جاننے‘‘ کا معنی دیتے ہیں جس کی بدولت دونوں کا مفہوم تقریباً ملتا جلتا ہے لیکن عربی زبان کی فصاحت اور قرآنی اسلوب کی لطافت کے باعث دونوں میں فرق ہے۔ درایت میں کوشش اور محنت وسعی اور کسب کا معنی پایا جاتا ہے۔

۱۔ علامہ بدرالدین عینیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

اذ الدراية اكتساب علم الشئ بحيلة. (۲)

(۱) اسماعیل حقی، روح البیان ۷:۱۰۵

(۲) عینی، عمدة القاری، ۱:۲۹۳

’’کسی شے کا علم کسی بھی ذریعہ اور تدبیر سے حاصل کرنا درایت ہے۔‘‘

۲۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لفظِ درایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فعنه اشارة إلى أن العبد أن عمل حيلة و بذل فيها وسعه لم يعرف ما هو لاحق به من كسبه و عاقبته، فكيف بغيره ما لم يحصل له علم بتعليم من الله تعالى بتوسط الرسل أو بنصب دليل عليه. (۱)

’’آیت میں درایت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ جو بھی تدبیر اختیار کرے اور جتنی بھی کوشش اور طاقت ممکن ہو صرف کردے پھر بھی وہ اپنے بارے میں نہیں جان سکے گا کہ وہ کیا عمل کرے گا اور اس کا خاتمہ اور انجام کب اور کہاں ہوگا۔ تو دوسروں کا عمل اور موت جاننے کی حقیقت تک کیسے رسائی حاصل کرسکتا ہے؟ ہاں اگر انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے حاصل ہونے والی تعلیمِ الٰہی سے یا دلائل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ اس کو علم عطا فرمادے تو یہ صورت استثنائی ہے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں بندے کے لئے درایت کی نفی ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے منتخب بندوں کو علم عطا کرنے اور امورِ غیبیہ پر مطلع کرنے کی نفی نہیں۔ ان پانچ چیزوں کا علمِ ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ان کا علم عطا فرما دیتا ہے۔

درج بالا آیتِ مبارکہ کی تائید میں جو احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں ان میں بھی ذاتی علمِ غیب کی نفی ہے نہ کہ عطائی علمِ غیب کی۔

۱۔ علامہ عبدالرؤف المناویؒ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں حدیثِ بریدہ کے تحت فرماتے ہیں:

خمس لا يعلمهن إلا الله على وجه الإحاطة والشمول كليا

(۱) ثناء الله، التفسير المظهری، ۷:۲۶۵

وجزئيا، فلا ينافيه إطلاع الله تعالىٰ بعض خواصه على كثير من المغيبات حتى من هذه الخمس لأنها جزئيات معدودة و إنكار المعتزلة لذالک مکابرة.(۱)

’’پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بالاستیعاب اس طرح نہیں جانتا کہ اس کا علم ہر ہر کل اور جز کو محیط اور شامل ہو۔ یہ اللہ تعالی کے اپنے بعض خاص بندوں کو بعض امورِ غیبیہ پر مطلع کرنے کے منافی نہیں حتی کہ ان امورِ خمسہ میں سے کسی پر اطلاع دے دینا بھی اطلاع علی الغیب کے منافی نہیں کیونکہ یہ چند جزئیات ہیں اور معتزلہ کا انکار حق بات کا انکار ہے۔‘‘

۲۔ امام عبدالروف المناویؒ ایک اور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

أما قوله ﷺ: لا يعلمها إلا هو، فمفسّر بأنه لا يعلمها أحد بذاته ومن ذاته إلا هو لكن قد تعلم بإعلام الله تعالى فإن ثمة من يعلمها.(۲)

’’حضور ﷺ کا فرمان کہ اللہ کے سوا ان غیوباتِ خمسہ کو کوئی نہیں جانتا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بالذات ازخود کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی توفیق خداوندی سے انہیں جان لیا جاتا ہے بیشک ایسے موجود ہیں جو انہیں جانتے ہیں۔‘‘

۳۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ مذکورہ بالا آیت کی شرح میں فرماتے ہیں:

مراد آنست کہ بے تعلیمِ الٰہی بحسابِ عقل ہیچکس اینہا را نداند آنہا از امور غیب اند کہ جز خدا کسے آن را نداند مگر آنکہ وے تعالی از نزد خود کسے را بداناند

(۱) مناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ۳:۴۵۸

(۲) مناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ۵:۵۲۶

بوحی والہام۔(۱)

''اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اطلاع وتعلیمِ الٰہی کے بغیر کوئی شخص محض اپنی عقل کی بنا پر ان کو نہیں جان سکتا۔ یہ وہ غیبی امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر جن کو وہ اپنی طرف سے وحی والہام کے ذریعے اطلاع فرما دے وہ جان سکتا ہے۔''

قرآن میں غیر سے علمِ غیب کی نفی اس معنی میں آئی ہے کہ وہ کسی کو غالب نہیں کرتا اور غالب کا معنی ہے کہ کوئی از خود نہیں لے سکتا، جس کو جو بھی ملتا ہے بالعطاء ملتا ہے۔

حضور ﷺ کو خزانۂ غیب کا حصۂ کامل عطا کیا گیا

حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت نے اپنے خزانہ غیب سے حصہ وافر عطا فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝(۲)

''اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں چند اہم نکات بیان ہوئے ہیں:

۱۔ پہلا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں علم کے حوالے سے دو صیغے استعمال ہوئے ہیں ایک باب ثلاثی مجرد سے عَلِمَ یَعْلَمُ عِلْمًا سے جو مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (یعنی وہ جو

(۱) عبدالحق، اشعة اللمعات، ۱: ۴۴

(۲) النساء، ۴: ۱۱۳

آپ ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے۔) سے عیاں ہے۔ اور دوسرا ثلاثی مزید فیہ کے بابِ تفعیل سے عَلَّم یُعَلِّمُ تَعْلِیْمًا سے جو عَلَّمَکَ (اس نے آپ کو علم عطا کر دیا ہے) سے آشکار ہے۔ ثلاثی مزید فیہ کے باب میں بڑی خاص بات یہ ہے کہ وہ علم جو مختلف ذرائع سے حاصل ہو یعنی کسی معلم سے ذاتی طور پر کسب کر کے حاصل کیا جائے۔ اس آیتِ کریمہ میں یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ کا معلّم تو خود ربِ جلیل ہے جس نے آپ ﷺ کو عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے) کا تاج پہنا کر معلمِ کائنات بنا دیا۔ اس میں علم بالعطاء کا اثبات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر اس چیز کا علم عطا کر دیا جو آپ ﷺ بالذات نہیں جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس صفتِ علم سے متصف ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک اور ما بعد مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ کا علم نوعِ انسانی کو منتقل کر دیا۔

۲۔ اسی کے حوالے سے دوسری خاص بات یہ ہے کہ باب تفعیل میں صیغہ کے ''ع'' کلمہ پر شد آجاتی ہے جیسے علّمُ یُعلِّمُ، عَزَّمَ یُعَزِّمُ وغیرہ۔ اس شدّ کی وجہ سے اس کے معنی میں بنیادی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور اس میں سہ جہتی تعلق کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ایک خود، دوسرا اپنے سے پہلے حرف کے ساتھ اور تیسرا بعد کے حرف کے ساتھ تعلق کا قرینہ پایا جاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ علم

i۔ کہیں سے مل رہا ہے۔

ii۔ کسی کو دیا جا رہا ہے۔

جہاں سے مل رہا ہے وہ Giving end ہے جو اللہ تعالیٰ ہے اور جہاں تقسیم کیا جا رہا ہے وہ Receiving end ہے۔

iii۔ ان دو انتہاؤں (Ends) کے درمیان صرف رابطہ اور حرفِ مشدد معلّم کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے جو علمِ الٰہی حاصل کر کے کائناتِ جن و انس میں بانٹ رہے ہیں۔

جمیع انبیاء اولیاء عرفاء اور اہل علم وحکمت از اوّل تا آخر حضور نبی اکرم ﷺ کے فیض علم ومعرفت کے محتاج ہیں۔ ان سب کسبی اور وھبی علوم کا سرچشمہ حقیقی ذاتِ وحدہ لاشریک ہے۔ امام بوصیریؒ نے اپنے اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

كلهم من رسول الله ملتمس
غرف من البحر أو رشف من الديم

(سارے کے سارے انبیاء علیہم السلام حضور نبی اکرم ﷺ کے (علم ومعرفت کے) بحرِ بے کراں سے بقدر ایک چلو اور (جود وسخا کی) موسلا دھار بارش سے بقدر ایک قطرۂ آب ملتمس ہیں۔)

۳۔ تیسرا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ عالم ہونے کا مطلب ہے محض جاننے والا جبکہ معلم کا مطلب جاننے والا بھی ہے اور علم کو آگے منتقل کرنے والا بھی ہے۔ جو علم اپنے پاس رکھے اور شاگرد کو نہ دے وہ بخیل اور ناقص معلّم ہے۔ اس لئے کہ ان کا علم ہوتا ہی محدود ہے۔ محدود علم رکھنے والے کو ہزار اندیشے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ خوف دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں شاگرد ان کے برابر نہ ہو جائے یا آگے نہ بڑھ جائے مثلاً بلی شیر کو سارے گر سکھاتی ہے درخت پر چڑھنا نہیں سکھاتی اس کے برعکس اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے اگر وہ ساری کائنات کا علم بھی اپنے محبوب پیغمبر کو عطا فرما دے تب بھی اس کو کوئی خطرہ نہیں۔ اسی نے تو ارشاد فرمایا ہے:

وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ○(۱)

''اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے○''

وہ علم جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کردیا اور بحیثیت معلم، رسول اللہ ﷺ آگے علم عطا کرنے پر مامور ہوگئے اور حضور نبی اکرم ﷺ اپنی امت میں پسندیدہ اور برگزیدہ افراد کو وَ يُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

(۱) البقرة، ۲:۱۵۱

کے مصداق فیض عطا فرما رہے ہیں۔ اب رسول ﷺ اپنی امت میں سے جس محبّ، غلام کو پسند کریں گے ان کو عطا کریں گے۔ اب (عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ) کی رو سے اللہ رب العزت حضور نبی اکرم ﷺ کو عطا فرماتا ہے اور اس عطائی علم میں کوئی تخصیص نہیں نہ شہادت کی نہ غیب کی یہ علم کامل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پہلے وصول کنندہ ہوئے پھر عطا کرنے والے بن گئے اور قیامت تک اس منصب پر فائز رہیں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو مستقبل کے اخبار سے بھی مطلع فرمایا تھا، قابلِ غور نکتہ یہ ہوا کہ علم غیب خاصہ الوہیت نہیں جو اسی کے پاس ہو اور مخلوق کو نہ دے۔ یہ خاصہ نہیں بلکہ یہ وہ عام صفت ہے جو اللہ کے پاس ذاتی ہوتی ہے اور وہ جب بندے کو دیتا ہے تو عطائی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔

علمِ غیب احادیث کی روشنی میں

احادیثِ مبارکہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب حضور نبی اکرم ﷺ کو علمِ غیب عطا فرمایا تھا۔ چند ایک احادیث مبارکہ ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ، فَصَلَّى الظُّهْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنبَرِ، فَذَکَرَ السَّاعَةَ، وَ ذَکَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُوْرًا عِظَاماً، ثُمَّ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيءٍ فَلْيَسْأَلْ عَنْهُ: فَوَاللهِ لَا تَسْأَلُوْنِي عَنْ شَيءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُکُمْ بِهِ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا. قَالَ أَنَسٌ: فَأَکْثَرَ الْأَنْصَارُ الْبُکَاءَ، وَ أَکْثَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يَقُوْلَ: سَلُوْنِي. فَقَالَ أَنَسٌ: فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: أَيْنَ مَدْخَلِي يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: النَّارُ. فَقَامَ عَبْدُاللهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: أَبُوْکَ حُذَافَةُ. قَالَ: ثُمَّ أَکْثَرَ أَنْ يَقُوْلَ: سَلُوْنِي، سَلُوْنِي.

فَبَرَکَ عُمَرُ عَلَی رُکْبَتَیْهِ فَقَالَ: رَضِيْنَا بِاللهِ رَبًّا، وَبِالإِسْلَامِ دِيْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُوْلاً. قَالَ: فَسَکَتَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِيْنَ قَالَ عُمَرُ ذٰلِکَ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ، وَأَنَا أُصَلِّي، فَلَمْ أَرَ کَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ. (۱)

''ایک موقع پر جب آفتاب ڈھلا تو حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات و حادثات ہیں، پھر فرمایا: جو شخص کسی بھی نوعیت کی کوئی بات پوچھنا چاہتا ہے تو وہ پوچھے، خدا کی قسم میں جب تک یہاں کھڑا ہوں تم جو بھی پوچھو گے اس کا جواب دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ جلال کے سبب بار بار یہ اعلان فرماتے تھے کہ کوئی سوال کرو، مجھ سے پوچھ لو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ۔ پھر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حذافہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ بار بار فرماتے رہے کہ مجھ سے پوچھ لو چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض گذار ہوئے۔ ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکره من کثرة السؤال و تکلف ما لا یعنیه، ۶: ۲۶۶۰، رقم: ۶۸۶۴

۲۔ أیضاً، کتاب العلم، باب حسن برك علی رکبتیه عند الإمام أو المحدث، ۱: ۴۷، رقم: ۹۳

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب توقیره ﷺ وترك إکثار سؤال عما لا ضرورة إلیه، ۴: ۱۸۳۲، رقم: ۲۳۵۹

ہونے پر اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں (ہمیں کچھ نہیں پوچھنا)۔ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ گذارش کی تو حضور ﷺ خاموش ہو گئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ابھی ابھی اس دیوار کے سامنے مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئیں جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو آج کی طرح میں نے خیر اور شر کو کبھی نہیں دیکھا۔''

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ مَقَامًا، فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ، حَفِظَ ذَالِکَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ. (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ ایک روز ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے اور آپ ﷺ نے مخلوقات کی ابتدا سے لے کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہو جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہو جانے تک ہمیں سب کچھ بتا دیا۔ جس نے اسے یاد رکھا یاد رکھا اور جو اسے بھول گیا سو بھول گیا۔''

اس حدیث سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ماضی اور مستقبل کے تمام احوال و واقعات کی اطلاع فرمائی اور یہی آپ ﷺ کی شانِ نبوت کا خاصہ ہے۔

ملا علی قاریؒ اس حدیث مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

فيه دلالته على أنه أخبر في المجلس الواحد بجميع أحوال

www.MinhajBooks.com

(۱) بخاری، الصحيح، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في قول الله تعالى: وهو الذي يبدأ الخلق ثم يعيده وهو أهون عليه، ۳: ۱۱۶۶، رقم: ۳۰۲۰

المخلوقات من ابتدائها إلی انتهائها.(۱)

’’یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے سارے حالات کی از ابتداء تا انتہاء خبر دے دی۔‘‘

۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَامَ فِينَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَقَامًا مَا تَرَکَ شَيْئًا يَکُوْنُ فِي مَقَامِهِ ذٰلِکَ إِلَی قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّاحَدَّثَ بِهِ، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَ نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ.(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: آپ ﷺ نے اپنے اس دن کھڑے ہونے سے لے کر قیامت تک کی کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جس کو آپ ﷺ نے بیان نہ فرمایا ہو۔ جس نے اسے یاد رکھا یاد رکھا اور جو اسے بھول گیا سو بھول گیا۔‘‘

۴۔ ایک اور مقام پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَخْبَرَنِي رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِمَا هُوَ کَائِنٌ إِلَی أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ. فَمَا مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا قَدْ سَأَلْتُهُ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَسْأَلْهُ مَا يُخْرِجُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ مِنْ

---

(۱) ملا علی قاری، المرقاة، ۱۱: ۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب إخبار النبی ﷺ فیما یکون إلی قیام الساعة، ۴: ۲۲۱۷، رقم: ۲۸۹۱ (عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ)

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء أخبر النبي ﷺ أصحابه بما هو کائن إلی یوم القیامة، ۴: ۴۸۳، رقم: ۲۱۹۱

۳۔ أبوداود، السنن، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلها، ۴: ۹۴، رقم: ۴۲۴۰

الْمَدِيْنَةِ.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے قیامت تک رونما ہونے والی ہر ایک بات بتا دی اور کوئی ایسی بات نہ رہی جسے میں نے آپ ﷺ سے پوچھا نہ ہو البتہ میں نے یہ نہ پوچھا کہ اہلِ مدینہ کو کون سی چیز مدینہ سے نکالے گی۔‘‘

۵۔ حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْفَجْرَ. وَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَنَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ. فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ. فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ. قَالَ: فَاَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا.(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب إخبار النبی ﷺ فیما یکون إلی قیام الساعة، ۴:۲۲۱۷، رقم: ۲۸۹۱

۲۔ حاکم، المستدرک، ۴:۴۷۲، رقم: ۸۳۱۱

۳۔ بزار، المسند، ۷:۲۲۲، رقم: ۲۷۹۵

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۳۸۶، رقم: ۲۳۳۲۹

۵۔ طیالسی، المسند، ۱:۵۸، رقم: ۴۳۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفتن و أشراط الساعة، باب إخبار النبی ﷺ فیما یکون إلی قیام الساعة، ۴:۲۲۱۷، رقم: ۲۸۹۲

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء ما أخبر النبی ﷺ أصحابه بما هو کائن إلی یوم القیامة، ۴:۴۸۳، رقم: ۲۱۹۱

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵:۹، رقم: ۶۶۳۸

۴۔ حاکم، المستدرک، ۴:۵۳۳، رقم: ۸۴۹۸

۵۔ أبویعلی، المسند، ۱۲:۲۳۷، رقم: ۲۸۴۴

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز فجر میں ہمارے امامت فرمائی بعد ازاں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ہمیں خطاب فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا، پھر آپ ﷺ نیچے تشریف لے آئے نماز پڑھائی بعد ازاں پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطاب فرمایا حتی کہ عصر کا وقت ہوگیا، پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ پس آپ ﷺ نے ہمیں ہر اس بات کی خبر دے دی جو جو آج تک وقوع پذیر ہو چکی تھی اور جو قیامت تک ہونے والی تھی۔ حضرت عمرو بن اخطب فرماتے ہیں: ہم میں زیادہ جاننے والا وہی ہے جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سارے واقعات کو جو آپ ﷺ سے پہلے ہو چکے تھے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا بیان فرمادیا۔ صحابہ کرام کے فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا کہنے سے علم کا معیار ثابت ہوگیا، گویا ان کا یہ کہنا مقصود تھا کہ ہمارے علم کا حضور نبی اکرم ﷺ کے سوا کوئی سرچشمہ اور مبدا نہیں جو کچھ ملا ہے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے ملا ہے پس جس نے جتنا کچھ یاد رکھا وہ اتنا بڑا عالم ہوگیا اور جس نے جتنا بھلا دیا اتنا ناقص ہوگیا۔

نوٹ: تفصیلی مطالعہ کے لئے ہماری کتاب ’’عقیدہ علم غیب‘‘ کا مطالعہ کیا جائے۔

www.MinhajBooks.com